

SRI RAMAKRIŚHNA PARAMAHAMSA.

دلی مورخہ یکم فروری



لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے ؟

تقدس مآب جناب مولانا خواجہ حسن نظامی !

پریتم پیارے کی محبت کا زخم گھائل ہی کو دکھایا جاتا ہے۔ پریم کا رس پریمی ہی کو مزا دیتا ہے۔ موتی کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔ بلبل کے درد، پروانہ کے سوز کا اثر کچھ گل و شمع پر ہی خوب ہوتا ہے۔ اس لیئے میرے خواجہ ! میں سچی عقیدت اور کمال ادب سے یہ رام کہانی جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جناب اسے برکت دیں تاکہ اسکے فیض سے کسیکو حقیقت کی ڈگر مل جائے ۔

خادم

چندو لال۔ چاول والہ۔ دلی

مورخہ ۴ فروری ۱۹۱۰ء

محرمِ رازِ حسن جناب لالہ چندو لال صاحب!

تسلیم۔ اخلاص نامہ اُس نوشتۂ نورانی کے ہمراہ پہنچا جس میں پرم ہنس رام کرشن جی کے حالاتِ زندگی درج ہیں۔ میں نے بکمال احسان مندی و شکرگزاری سے آپکے تحفہ کو سر پر رکھا اور دیدۂ شوق سے پڑھا۔ پرم ہنس جی کے حالات میں وہی باتیں ہیں اور اُن باتوں میں وہی تاثیر ہے جو خدا کے مقبول بندوں کے ذکر میں پائی جاتی ہے۔ اُنکی زندگی بڑی شان سے شروع ہوئی تھی۔ عشق الٰہی کا قدرتی جذبہ پہلا رہبر تھا جس نے سوامی جی کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کی۔ اور کچھ ایسی محویت اور استغراق کے عالم میں مشغول کر دیا کہ جسنے سوامی جی کی حالت معصوم بچوں کی سی بنا دی تھی۔

مجکو سوامی جی کے اقوال میں ایک عجیب بات یہ نظر آئی کہ وہ بالکل آیتوں اور حدیثوں کے ترجمے معلوم ہوتے ہیں۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ سوامی جی سچے توحید پرست تھے اور توحید پرستوں کی باتوں میں اختلاف نہیں ہوا کرتا۔ ہم خیالی کے معنی یہی ہیں کہ سب کی ایک رائے ہو۔ "پرم ہنس جی" کی عظمت اور بزرگی ظاہر کرنے کے یہ شہادت کافی ہے کہ "سوامی وویکانند" اور "بابو کیشب چندر سین" جیسے نامور لوگ اُنکے حلقہ بگوش تھے۔

سوانح عمری کے دوسرے حصہ کو دیکھکر میں خیال کرتا ہوں آپنے اُردو زبان میں ایک لاثانی اور مفید اضافہ کیا ہے۔ ویدانت کی حقیقت غالباً آج تک کسی نے زبانِ اُردو میں اِس آسانی اور عمدگی سے بیان نہیں کی۔ اگرچہ تمام کتاب کی اُردو سیدھی سادی اور عام فہم ہے لیکن اِس حصہ کو آپنے ایسے دلنشین فقروں اور عمدہ مثالوں سے مرتب کیا ہے کہ بے اختیار آپکی محنت اور قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے۔

میری رائے میں یہ کتاب اِس قابل ہے کہ ہندو مسلمان اسکی یکساں قدر کریں اور خصوصًا مسلمانوں کو اِس قسم کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وہ ہندوں کے بزرگوں اور ویدانت کی حقیقت سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی مُراد بر لائے۔ اور یہ کتاب لوگوں کی حالت کے لیے مصلح ثابت ہو۔ آمین۔ ثم آمین +

حسن نظامی

از خانقاہ مبارک حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ



دیباچہ

وہ قوم - وہ زمانہ - بڑا ہی مبارک ہے - اور خوش نصیب ہے وہ ملک جہاں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو عیش و عشرت پر لات مار کر - اپنا آرام چھوڑ کر - لاکھوں مصیبتیں جھیلکر اپنی زندگی اور تن من دھن دوسروں کے سپرد وقف کر دیتے ہیں - سچائی کی تلاش میں سرگرداں اور بھولے بھٹکوں کو منزل مقصود کا راستہ بتاتے ہیں - جنکے دل تعصب اور جہالت کی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں - جنھیں اپنے پرائے - اور بھلے برے کی تمیز نہیں ہوتی - انھیں گیان کا بیج اور علم کا نور عطا کرتے ہیں - دنیا جنھیں ایک خشک ریگستان نظر آتا ہے - درد دل کی جلن سے جن کا دم لبوں پر ہے - اُن پر پریم کا مینہ برسا کر اُنکے کلیجوں کو ٹھنڈا اور دل کی کلیوں کو شگفتہ کر دیتے ہیں - جو "مایا" (مغالطہ) کے ناپیدا کنار سمندر میں ڈبکیاں کھا رہے ہیں اور جنہیں کنارہ کا نہیں پتہ چلتا - اُنھیں وقت پر سنبھالتے ہیں اور جہاز "معرفان" پر سوار کر کے کنارے پر لگا دیتے ہیں - جن کے جسم کی بوڑھی اور کمزور دیواریں ہل رہی ہیں اور جن کے ہر وقت گر جانے کا اندیشہ لگا ہوا ہے اُن کو سہارا دیکر اصلی راحت و آرام کی مضبوط چٹان پر کھڑا کر دیتے ہیں - جو سراب سے پانی سے پیاس بجھانے کے جھوٹے یقین پر بھروسہ کر کے بے تحاشا دوڑے چلے جاتے ہیں اُنھیں اُنکی غلطی سے آگاہ کر کے چشمۂ آب حیات سے جام بھر کر امرت کا گھونٹ پلا دیتے ہیں ۔

ہندوستان کو ایسے بزرگوں کی موجودگی پر ہمیشہ ناز رہا ہے - چنانچہ اس انیسویں صدی میں بھی بنگال میں ایک مہاتما پیدا ہوا - جس نے اپنے زہد کے کمال - بے تعصب زندگی - اعلیٰ چال چلن - سچے پریم - عام ملنساری - بے مثال فروتنی سے دنیا پر روشن

کردیا۔ کدورات سب کی یکساں عزت کرنے میں ہے۔ نہ کہ اپنی بزرگی کے غرور اور دوسروں سے نفرت کرنے میں۔ آزادی اپنے ہی شوق اور کوشش سے ملتی ہے۔ خالی شور مچانے۔ دوسروں پر بھروسہ کرکے چپ چاپ سُست بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں بنتا پاک بننے کے لیئے دلکی کدورت رفع کرنی چاہیئے۔ دکھاوے کی عبادت۔ تلک چھاپے جسم کے دھونے۔ یا کپڑے رنگنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دل کا داغ پریم کا صابن لگائے بغیر نہیں چھٹتا +

جس طرح ایک ہی سٹیم پر مختلف کلوں سے جُدا جُدا کام لیتی ہے۔ ایک ہی قدرت کا ملہ اپنے منشا کے مطابق تمام کام چلا رہی ہے۔ جس طرح ایک شہر کے مختلف راستے ہوتے ہیں اُسی طرح مختلف مذاہب معبودِ حقیقی تک پہنچنے کے علیحدہ علیحدہ وسیلے ہیں مگر منزلِ مقصود اور ماحصل سب کا ایک ہے۔

دنیاوی خوشی۔ نفس کے چٹخارے ایسے ہیں۔ جیسے کتا سوکھی ہڈی چباتا ہے۔ اور اپنے ہی مسوڑھے چھلنے سے خون نکلتا ہے ہڈی کا خون سمجھکر مزا لیتا ہے۔ اس کا نام خوشی نہیں خوشی دلکی یکسوئی اور اطمینان کو کہتے ہیں +

اِس آزاد منش مہاتما کی سوانح عمری اور بے لوث زندگی کے واقعات غریقان بحرِ عالم کے لیئے ایک مضبوط سہارا۔ آرزومندانِ وصالِ باری کے لیئے مژدہ۔ تشنہ کامانِ محبت کے لیئے آبِ حیات اور شکستہ دلوں کے لیئے نویدِ جاں بخش ہے۔

اگر پرم ہنس رام کرشن جی کے کریکٹر پر توجہ دی گئی۔ اسے اپنا آدرش بناکر نقل کی کوشش کی گئی تو اُمید ہی نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ محنت پھل لائیگی +

اِس لیئے التجا ہے کہ آپ اِن نادر سبق کو غور سے پڑھیں۔ اس پر یقین لاکر اِن چند ورق سے فائدہ اُٹھائیں +

آپکا خیر اندیش

چندو لال۔ چاول والہ



ہندوستان کے مشہور ریفارمر سوامی وویکانند کے گرو پرم ہنس رام کرشن جی کی سوانح عمری

جائے پیدائش و تاریخ ولادت

رام کرشن جی ۲۰ فروری ۱۸۳۳ء میں صبح کے وقت ضلع ہگلی کے "کاماپوکر" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں قسمت جہاں آباد سے بسمت مشرق چار میل اور بردوان سے جنوب کی طرف ۳۲ میل ہے۔ اِس میں زیادہ تر لوہاروں، بڑھئیوں۔ اور گوالیوں کی آبادی تھی۔ برہمنوں میں صرف اِنکے والد ہی کا ایک گھر تھا

والدین

اِنکے والد کا نام "خودی رام چٹو پادھیا" تھا۔ تمام گاؤں اِنکی وسیع علمی لیاقت۔ اعلیٰ چال چلن اور عمدہ اخلاق کی وجہ سے عزت کرتا تھا۔ اور یہاں تک یقین تھا کہ اِن میں "واک سدھی"[1] ہے۔ جدھر سے گزرتے لوگ کھڑے ہو کر تعظیم دیتے اور اِنکی بیوی "چندرمنی دیوی" بھی سادہ مزاجی اور نیک دلی میں مشہور تھیں۔ ہر ایک بچہ جوان اِن پر ماں کا سا بھروسا کرتا تھا۔

[1] جو کہیں پورا ہو۔

نام چتوپادھیا" وشنو کے بڑے پکے بھگت تھے اور یہ بھی مشہور تھا کہ وشنو
نے پنڈت جی کے خواب میں ظاہر ہو کر فرمایا تھا "میں تیرے گھر آؤنگا" چنانچہ
رام کرشن" کا پیدائشی نام "گداھر" رکھا گیا۔ جو کہ وشنو کا ایک نام ہے۔ مگر بعد میں
"رام کرشن" مشہور گیا ؞

رام کرشن کا رنگ سبزہ رنگ تھا۔ اور صورت میں کچھ ایسی دل فریبی تھی کہ دیکھنے
والوں کی سیری نہ ہوتی۔ دل خود بخود اُنکی طرف کھچا جاتا تھا۔

بچپن لڑکپن ہی میں اِنکے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ مذہبی ڈراما "ایکٹنگ" ایکبا
ہی دفعہ دیکھ کر ہو بہو نقل کر لیتے تھے۔ آواز بڑی سُریلی اور شیریں تھی۔ موسیقی
سے خاص اُنس تھا۔ بعض دفعہ اپنے ہمجولیوں کو جمع کر کے راس لیلا کیا کرتے۔ چھ
ہی برس کی عمر میں "رامائن"۔ مہابھارت"۔ بھاگوت" وغیرہ کے بہت سے حصے سن سن کر
ازبر کر لئے تھے۔ گاؤں کے قریب ہی ایک دھرم سالہ تھی۔ جس میں [illegible] وہ بھی سادھو بھی
آجاتے تھے۔ چھوٹا رام کرشن اُنکی باتیں بڑی توجہ سے سُنتا تھا اور بعض دفعہ خود
بھی ایسی باتیں کرتا کہ سُننے والوں کو تعجب ہوتا ؞

ابھی یہ دس برس کے بھی نہ تھے کہ ایکدن کھیت میں پھرتے پھرتے سارسوں
کی قطار پر نظر پڑی۔ اِن کا رنگ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ اِس کے اثر سے بے خود ہو کر
گر پڑے ؞

تعلیم رام کرشن اپنے ماں باپ کے تین بیٹوں اور دو لڑکیوں میں سب سے چھوٹے
تھے۔ اِن کے سب سے بڑے بھائی "رام کنوار" ایک فاضل پنڈت تھے اور کلکتہ میں
اُن کا مدرسہ تھا۔ سولھواں سال شروع ہوتے ہی "رام کرشن" کے والد نے اِنکا یگیوپویت
سنسکار (رسم زنار) کرا کر ان کو اسی مدرسہ میں بھیجدیا۔

اِن کا بھائی جو روپیہ کا لوبھی اور لالچ کا بندہ تھا بڑا گھبرایا۔ جب اِس نے

رام کرشن" کو ویدانت کے باریک مسئلوں پر گفتگو کرتے سنا۔ کیونکہ اُس نے اِس اعلیٰ تعلیم پر کبھی توجہ نہ دی تھی "رام کرشن" نے اُس سے صاف کہدیا کہ مَیں ایسے علم کا بھوکا نہیں جس سے تھوڑا سا روپیہ یا کچھ مٹھی اناج ملجائے۔ بلکہ مَیں اُس گیان کا مشتاق ہوں جس سے دائمی سرور۔ اور ابدی خوشی حاصل ہو +

کلکتہ سے پانچ میل مغرب کیطرف گنگا جی کے کنارے دکشنیشور کا مشہور کالی مندر رانی راسمنی نے بنوایا تھا۔ اُس کے پجاری اِن کے بڑے بھائی تھے۔ رام کرشن جب اِن سے ملنے گئے تو اُنھوں نے اِس وجہ سے بھائی کے ساتھ کھانے سے انکار کردیا کہ وہ ایسے مندر کا پجاری ہے جو شودرانی کا بنایا ہوا ہے اور ایسی جگہ بھوجن کرنا شاستر میں منع ہے۔ چنانچہ رات ایک پیسہ کی لائی کھاکر گزاری اور کلکتہ واپس چلے گئے

کچھ عرصہ بعد بھائی کی بیماری کی وجہ سے کالی کی پوجا اِنکے سپرد ہوئی۔ چونکہ یہ صادق القول تھے اور کبھی کوئی کام بیکار سمجھ کر یا جبپر اِن کو پورا یقین نہ ہو نہ کرتے تھے۔ اُنھوں نے کالی کو سچی جگت ماتا مانا۔ اور یہاں تک یقین کیا کہ یہ زندہ مورتی ہے۔ سانس لیتی اور بھوگ لگاتی ہے۔ مقررہ پوجا کے بعد گھنٹوں بھجن گاتے اور اِس طرح التجا کرتے جس طرح بچہ خاص اپنی ماں سے کرتا ہے۔ بعض دفعہ پہروں رویا کرتے اور صرف اِس لئے چین نہ آتا کہ وہ اپنی ماں کو اِس حالت میں نہیں دیکھتے جس میں وہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کبھی یہاں تک محویت ہوجاتی کہ تن بدن کا ہوش نہ رہتا۔

اِنکی اِس حالت کی بابت لوگوں کی مختلف رائیں تھیں بعض کا خیال تھا نوجوان پجاری پاگل ہوگیا۔ بعض کہتے تھے ایشور کا سچا بھگت ہے۔ ظاہرا مدہوشی اُس کی آنند کا ظہور ہے +

شادی | اِس وقت اِنکی عمر چوبیس برس کی تھی۔ والد کو مرے سات برس ہوچکے تھے والدہ اور بھائیوں نے اِس خیال سے کہ شادی ہوجانے سے بال بچوں کی پرورش

گھر کا بوجھ پڑنے پر انکی محویت جاتی رہیگی" رام کرشن کو اپنے گاؤں میں لاے۔ اور "ساردامنی دیوی" نامی پانچ برس کی لڑکی سے انکی شادی کرادی۔ کہتے ہیں اصرار کرنے پر انھوں نے خود بتا دیا تھا کہ فلاں لڑکی سے میری شادی کرو۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ بعض عورتیں دیوی ہوتی ہیں جن سے خاوندوں کو ہر طرح کا آرام اور راہ حق کی ثابت قدمی میں مدد ملتی ہے۔ برخلاف اسکے بعض ایسی چڑیلیں ہوتی ہیں کہ میاں کی زندگی وبال کر دیتی ہیں۔ جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان سے بچا رہنا اچھا ہے +

شادی کے بعد یہ کلکتہ واپس آگئے اور مندر کے کام کا چارج لیا مگر توجہ بٹنے کی بجائے محویت اور بھی زیادہ ہوگئی۔ آنکھوں سے دریا امنڈتے تھے۔ دیوی سے عاجزانہ التجا کرتے۔ ماتا مجھپر کرپا کر + مجھے اپنا کر۔ خلقت انکے گرد جمع ہو جاتی اور تسلی دینے کی کوشش کرتی۔ مگر بے فائدہ۔ شام کو پوجا کے وقت جب مندر کا گھنٹہ دن کے ختم ہونے کی آواز دیتا تو ان کا غم اور بھی بڑھ جاتا۔ عالم مایوسی میں رو رو کر کہتے "ایک دن اور گزر گیا لیکن تجھے نہ پایا" لوگوں کا خیال تھا یا تو یہ دیوانہ ہے یا کوئی سخت تکلیف ہے جس نے بے چین کر رکھا ہے۔

مندر کی مالکہ رانی راسمنی کے داماد بابو متھرا ناتھ کو ان سے خاص محبت تھی بابو صاحب انکو کلکتہ کے مشہور مشہور ڈاکٹروں کے پاس لیگئے کہ انکا دیوانہ پن دور ہو جائے مگر کسیکی عقل نے کام نہ دیا۔ آخر ڈھاکہ کا ایک وید رمز کو پہنچا۔ اسی نے کہا یہ "یوگی" ہے مرض لاعلاج۔ دوا فضول ہے۔ لاچار ہو کر دوستوں نے امید چھوڑ دی +

فراق کا صدمہ برداشت نہ ہو سکا اور عاجز ہو کر ایک دن انھوں نے خودکشی کا ارادہ کر لیا کہ سخت محنت پھل لائی۔ عاشق صادق کو تکلیف میں دیکھکر دیوی

مہربان ہوئی اور تصور میں جلوہ افگن ہوئی۔ دوئی کا پردہ اٹھنے لگا اور بے چینی اطمینان سے بدل گئی۔

اس حالت میں بعض دفعہ ان کو وہم ہو جاتا اور خیال ہوتا یہ تصور ہی تصور ہے اتفاقاً ایکدفعہ خیال کیا کہ اگر یہ میرے دماغ کا قصور نہیں اور سچی بات ہے تو رانی رسمنی کی لڑکیاں جو آجتک مندر میں نہیں آئیں سامنے آئیں اور مجھ سے باتیں کریں لڑکیاں رام کرشن جی سے بالکل ناآشنا تھیں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد برابر ہی کے ایک درخت کے پاس آئیں اور ان کا نام لیکر کہنے لگیں رام کرشن! چنتا نہ کرو! دیوی تم پر مہربان ہے۔

اب یگانگت کا یہ عالم ہوا کہ روز کی پوجا پاٹ بھی چھوٹ گئی گھنٹوں عالم مستی میں مگن رہتے۔ دیوی پر چڑھانے کے بجائے اپنے سر پر پھول چڑھاتے۔ ایک دفعہ کی بجائے کئی دفعہ آرتی کرتے۔ یہ حال دیکھ کر متھرا ناتھ نے پوجا کے لئے دوسرا آدمی مقرر کر دیا ؎

ان ایام میں یہ شاید ہی آرام کی نیند سوئے ہوں۔ کیونکہ آنکھیں ہر وقت کھلی رہتی تھیں۔ بعض دفعہ ان کو معلوم ہوتا کہ سخت بیمار ہوں آئینہ سامنے رکھکر انگلیوں سے آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرتے مگر بند نہ ہوتیں۔ عالم یاس میں بے قرار ہو کر کہتے۔ میری پیاری ماں۔ کیا تیری بھگتی کا یہی نتیجہ ہے۔ اسپر فرماتے مجھے ایک ہنستا ہوا چہرہ نظر آیا اور شیریں آواز میں سنائی دیا "میری جان! فانی جسم کی محبت اور خودی کو چھوڑے بغیر مجھ تک نہیں پہنچ سکتا"

پھر ایک لامحدود روشنی معلوم ہوئی۔ جس میں عجیب لطف تھا۔ جہاں خودی مٹی جاتی تھی اور آگے بڑھنے کا شوق بڑھتا تھا۔

ان دنوں تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا۔ ان کا بھانجا "ہردیا" زبردستی

کچھ کھلا دیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک حلالخور کے مکان میں جاکر جھاڑو دینے لگے اس نے جب اِس فعل سے منع کیا تو آپنے روکر کہا۔ ماں اسکے دل سے یہ خیال اٹھا دے کہ یہ چھوٹا ہے میں بڑا ۔ کیونکہ تو ہی تو ہے جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئی ہے۔

ایک دفعہ ایک ہاتھ میں کنکر تھے اور دوسرے میں روپیہ۔ گنگا کے کنارے بیٹھے کہہ رہے تھے۔ دل! یہ جسپر سلطنت کرنے والے کی شکل بنی ہے روپیہ کہلاتا ہے۔ اِس سے لذیذ کھانے۔ عمدہ لباس۔ شاندار مکان۔ گاڑی گھوڑے اعلیٰ خطاب۔ عزت اور مرتبہ۔ غرض ہر ایک چیز جسکو لوگ بڑا سمجھتے ہیں حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن اِس میں یہ طاقت نہیں کہ اصلی خوشی اور سچی راحت خرید سکے اِس لیئے مٹی اور یہ برابر ہے۔ پھر کنکر اور روپیہ ملاکر روپیہ کنکر ہے۔ روپیہ مٹی ہے کہا۔ اور دونوں کو گنگاجی میں پھینک دیا +

اِسی طرح ایک دن متھرا ناتھ نے ایک قیمتی شال اُڑھا دی۔ کچھ دیر تو اُسے دیکھ کر خوش ہوتے رہے پھر اُتار کر زمین جھاڑنے لگے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ اِن کو اپنے جسم میں شعلے بھڑکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے دن بھر گلے تک گنگاجی میں کھڑے رہتے۔ سر پر کپڑا بھگو کر رکھتے مگر طپش کم نہ ہوتی۔ آخر ایک دن ایک عورت آئی اور اُسنے اِنکے جسم پر صندل کا لیپ کردیا۔ خوشبودار پھولوں کے گجرے پہنائے جسب کہیں چار پانچ روز میں گرمی کا زور کم ہوا +

مذکورۂ بالا عورت بڑی فاضلہ اور دانا عورت تھی۔ سینکڑوں کتابیں حفظ تھیں گویا اُس کا دل علم کا خزانہ تھا۔ اور زبان کلدار سانچہ جس میں لفظ ڈھلتے تھے اور اتنے جلدی کہ روانی ختم نہ ہوتی تھی۔ دلیل ایسی زبردست تھی کہ بڑے بڑے پنڈت گفتگو کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ یوگ کا ابھیاس کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ لانبا قد۔ خوبصورت چہرہ اور بھگوا بھیس سکتے دلیں بدمیں بھرتی تھی۔ اس کے نام اور جائے پیدائش کا کسیکو پتہ نہ تھا۔ اور نہ کسی نے دریافت کرنیکی جرات کی۔ وہ دیوی کا اوتار معلوم ہوتی

تھی۔ جو دنیا کو مصیبت میں دیکھکر بندوں کی مدد کو زمین پر آئی تھی۔

اِس نے رام کرشن کو دیکھتے ہی کہا "میں مدت سے اِسکی تلاش میں تھی" یہ دیوانہ نہیں ہے۔ ہر ایک یوگی کی شروع میں یہی حالت ہوتی ہے۔ طپش اسی شعلہ کا ظہور ہے جس نے "بدھ" سے شاہی محل چھڑوایا۔ جسکی گرمی نے "برج کی رادھا" کو بے چین کر رکھا تھا۔

"رام کرشن جی" کو اِسکے ملنے سے شانتی سی ہو گئی۔ گویا پہلے سے اِس کے منتظر تھے۔ گرمی کم ہو جانے کے بعد رام کرشن جی کو ایسی شدت سے بھوک لگی کہ کتنا ہی کھلاؤ سیری نہ ہوتی تھی۔ اِس عورت نے عمدہ عمدہ کھانے پکوا نے اور رام کرشن جی کے سامنے بھوکوں کو کھلوانے۔ جب اِس سے رہائی ہوئی یہ عورت کوئی تین برس یہاں رہی اور ان کو یوگ کی تعلیم دی جس سے جسم اور اندریوں (حواسوں) پر پورا قابو ہو کر خیال یکسو ہونے لگا۔ مگر پھر بھی دل اچھی طرح ٹھکانے پر نہ آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کسر باقی رہ گئی تھی ؎

چند روز بعد "توتا پوری" نامی ایک مہاتما اِدھر آنکلے۔ یہ ایک آزاد منش آدمی تھے۔ ہمیشہ ننگے پھرتے تھے۔ جاڑا۔ گرمی اور برسات آسمانی شامیانے کے نیچے ہی گزرتا تھا۔ کوئی کچھ کھلا دیتا تو کھا لیتے۔ تین دن سے زیادہ کہیں نہ ٹھیرتے۔ ہوا کی طرح آزاد۔ اسی طرح پھرا کرتے کبھی کوئی لائق سمجھ دار مل گیا تو نصیحت کر دی ورنہ خاموش۔

اِنھوں نے "رام کرسن جی" کو ویدانت کا اُپدیش دیا۔ جس سے بھید کا بھید کھل گیا گیان۔ گیا نا گیئے یعنی علم۔ عالم۔ اور معلوم کی تمیز نہ رہی۔ نرو کلپ سمادھی میں مگن رہتے اور یکسوئی کا حظ اٹھانے لگے۔

اِس حالت میں بغیر غذا کے شاید جسم قائم نہ رہتا۔ مگر ایک سادھو اِنکی خدمت کیا کرتا تھا اور گاہے ماہے کچھ کھلا دیتا تھا ؎

بیوقت کی غذا سے اِنکو پیچش ہو گئی جسکو بڑی مشکل سے آرام ہوا۔

دیگر مذاہب کی تحقیقات

رام کرشن جی سے آپ وشنو اور شو کا دھیان دھارا۔ حضرت محمدؐ اور عیسیٰ مسیح کا تصور کیا۔ قسمت سے ہر ایک مذہب کی تلقین کے لیئے رہبر کامل بھی مِل گئے اور ان کو مراقبہ میں شو۔ وشنو۔ حضرت محمدؐ اور مسیحؑ کی زیارت ہوئی۔ اِس تجربہ سے یہ اِس نتیجہ پر پہنچے کہ سب مذہب سچے ہیں۔ ایک ہی سچدانند دست چت۔ آنی۔ یعنی دائم علم۔ اور سرور کُل مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ مذہب وہاں تک پہنچنے کا ایک راستہ ہیں ✢

بیوی سے ملاقات

اِس عرصہ میں اِن کو مطلق خیال نہ رہا کہ میری شادی ہو چکی ہے اور ایسے شخص کے لیئے جو اپنے ہی کو بھولا ہوا تھا یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ اِنکی بیوی کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی۔ اُسکو پہلے تو یہ خبر ملی کہ میرا خاوند پاگل ہو گیا اور بہت تکلیف میں ہے۔ پھر سُنا کہ دُنیا سے کنارہ کش ہو کر عابدانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ آخر اُس نے ارادہ کیا کہ ایک دفعہ تو ملنا چاہیئے تاکہ اپنی قسمت کا نوشتہ اُس سے دریافت کرے۔ لہذا ماں سے اجازت لیکر بیس چالیس میل پیدل چلکر مندر میں آئی۔ رام کرشن اِس سے اچھی طرح ملے۔ اور نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ لیکن جب اِسنے بات شروع کی تو کہا۔ مائی! پرانا رام کرشن مر گیا۔ نیا کسی عورت کو بیوی نہیں کہہ سکتا۔ تمام عورتیں اُسکی ماں ہیں اور تم بھی اسی جگہ ہو۔ یہ کہا اور اپنے خیال میں محو ہو گئے۔ بیوی نے بھی جو ایسے ہی آدمی[۱] کے قابل تھی۔ کہا میں بیوی کی حیثیت سے کچھ نہیں مانگتی میری

[۱] اِنکے اس خیال کا جھوٹ سچ آزمانے کے لیئے بعض لوگوں نے اِن کو کسبیوں میں چھوڑ دیا۔ یہ سبکو ماں ماں کہہ کر پکارنے لگے اور بالکل متوجہ نہوئے اور نہ ان کو پاس جانیکی ہمت ہوئی۔

ایکدفعہ ایک کسبی ملنے گئی۔ آپ کھڑے ہو کر تعظیم دی اور پوجا کا آسن بیٹھنے کو دیا۔

[۲] جب میں دسمبر ۱۹۰۶ء میں بغرض شمولیت کانگرس بمبئی کلکتہ گیا تھا تب تک یہ دیوی زندہ تھیں انکی پارسائی ریاست کی بڑی تعریف تھی اور سینکڑوں نیک بیبیاں اِن سے ہدایت پاتی تھیں ✢

التجا ہے کہ مجھے ایشور پراپتی (راہِ حق) کا راستہ بتایئے۔ میں تمھاری خدمت میں
رہونگی تاکہ تمھاری صحت میں فرق نہ آسکے۔ اُس دن سے وہ مندر ہی میں رہنے
لگیں۔ "متھرا ناتھ" نے انھیں دس ہزار روپیہ پیش کیا مگر انھوں نے نہ لیا۔ بابو صاحب
کے عذر کرنے پر کہا۔ میرے خاوند کو کمال روپیہ سے حاصل نہیں ہوا۔ میں لیکر کیا کروں

علمی لیاقت

رام کرشن جی کی تعلیم صرف بنگالی تک محدود تھی۔ سنسکرت کی عمدہ عمدہ
کتابیں بنگالی میں سُنا کرتے تھے اور چونکہ حافظہ عمدہ تھا جو ایک دفعہ سُن لیتے وہ
بھولتے نہ تھے اور گفتگو کے وقت سنسکرت کی مشہور مشہور کتابوں کے حوالے دیتے

کمال

اِن کو یوگ پر کمال حاصل تھا لیکن کبھی کسی پر ظاہر کرنے کی پرواہ نہ کی۔ شاگردوں
سے بھی کہا کرتے تھے کہ یہ معاملات کسی کو خوش کرنے کے لیئے نہیں ہیں اِن کا تعلق
صرف ذاتی صفائی سے ہے۔ پہلے کچھ حاصل کرلو۔ کسی کے کہنے سُننے کا خیال
چھوڑ دو۔ اور خود بھی اپنے کمال کا کسی سے ذکر نہ کرتے تھے۔ لیکن جو لوگ اِن سے
ملنے جاتے تھے انکو انکی قابلیت کے بہت سے ثبوت ملتے تھے۔ مثلاً دوسرے کا
خیال معلوم کر لینا۔ دُور دراز کے حالات سے باخبر ہونا۔ واقعات کی پیشین گوئی کرنا۔
مہر کی نظر سے بیمار کو اچھا کر دینا۔ ایک بات سب سے عجیب یہ تھی اور جس سے آپ
اکثر کام لیتے تھے کہ صرف جسم چھونے سے انسانی خیال بدل جاتا تھا۔ بعض کو سمادھی
ہو جاتی اور گھنٹوں ظاہری دُنیا کا خیال نہ رہتا۔ بعض پر کوئی ظاہرا اثر تو نہ ہوتا۔ مگر
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِن کا خیال بدل گیا دنیاوی لوگوں کو بھی محسوس ہوتا تھا کہ اب
اُس کا دل دنیاوی لذتوں پر راغب نہیں ہوتا۔ غصیل غصہ کرنا چھوڑ دیتے تھے۔
جب متھرا ناتھ بندرابن جاترا کے لیئے جانے لگے تو رام کرشن جی کو بھی ساتھ لیا
یہاں بڑے بڑے اور مشہور سادھوؤں پنڈتوں سے ملے۔ مثلاً بنارس کے

"تیلنگ سوامی" بندراتن کی "گنگا ماتا" سب نے ان کا مہاتماؤں کی طرح آؤ بھگت کیا اور عزّت سے پیش آئے۔ واپسی پر دو یا ناتھ کے قریب ایک قحط زدہ گاؤں کے باشندوں کی حالت دیکھ کر ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہیں بیٹھ گئے اور زار زار رونے لگے انکو خوش دیکھے بغیر چلنے سے انکار کر دیا۔ فیاض "متھرا ناتھ" نے کئی دن تک گاؤں کی دعوت کی۔ کپڑا اور پیسہ تقسیم کیا رام کرشن جی سب کو خوش دیکھکر خوش ہوئے اور چل دیئے۔

"جب گلاب کھلتا ہے اور اُسکی خوشبو پھیلتی ہے تو مکھیاں آنی شروع ہوتی ہیں۔ گلاب مکھیوں کے پاس نہیں جاتا مگر وہ خود تلاش کر لیتی ہیں"

"رام کرشن جی" کا یہ مقولہ اُن ہی کی زندگی میں پورا ہوا۔ اُنکی قابلیت کا شہرہ سنکر ہر ایک۔ فرقے۔ مذہب۔ ملت کے لوگ آنے شروع ہوئے۔ صبح سے شام تک بھیڑ لگی رہتی۔ اچھے اچھے یوگی۔ فاضل اور کامل تک اِن سے کچھ نہ کچھ سیکھ کر جاتے تھے۔ اِنکی سادہ مزاجی۔ بچّوں کی سی بے تکلفی۔ اور انکساری سے۔ اِن کے دل پر بڑا اثر ہوتا تھا۔ سمجھانے کا طریقہ بھی ایسا عمدہ تھا کہ باریک سے باریک مسئلے معمولی آدمی بھی ذرا سی دیر میں سمجھ جاتا۔

سنہ ۱۸۷۵ء کا ذکر ہے کہ مشہور ہندی ریفارمر کیشب چندر سین وکشنیشور کے مندر سے کوئی دو میل کے فاصلہ پر ایک باغیچہ میں گوشہ نشین تھا "رام کرشن جی"

لہ تلسی داؤں کی مالا بازو بند ہاتھوں میں قریاں پہنے رہتی تھیں۔ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔ اکیلی رہتیں اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھاتیں جو جاتا اخلاق سے پیش آتی تھیں سوامی تریانندجی نے اِس عورت کے درشن کیئے ہیں فرماتے ہیں اُسوقت اُنکی عمر بہتر کے قریب تھی ایک خوبصورت اور بارعب شکل تھی +

تلہ میکس مولر نے اِس ملاقات کا وقت ۱۸۶۶ء لکھا ہے مگر سوامی تریانندجی کا (جو رام کرشن جی کے لائق شاگردوں میں سے ہیں) خیال ہے اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ کیشب چندر ۱۸۷۶ء میں ملے +

نے اِس کا حال سُنا۔ اور دیکھنے گئے۔ کیشب چندر اُنکے سیدھے اور معمولی لفظوں
سے جو اعلیٰ گیان سے پُر تھے عجیب ایشوری بھگتی اور محویت سے ایسا متاثر ہوا
کہ اکثر آنے لگا۔ گھنٹوں قدموں میں بیٹھا رہتا۔ اور اس انوکھے آدمی کی نیک
نصیحتوں کو پوری توجہ سے سُنتا اور اُنکے پاؤں چھوتا تاکہ پاک ہوجائے۔
کبھی اپنے گھر لے جاتا۔ کبھی کشتی میں چند میل نکل جاتے اور کیشب اپنے شک رفع
کرتا۔ یہاں تک کہ اُسکی زندگی ہی بدل گئی۔ بعد میں جو کیشب نے اپنے نئے
مذہبی خیال ظاہر کیے وہ رام کرشن جی ہی کی تلقین تھی

کیشب نے جب رام کرشن جی کے چند خیال چھاپے اور اِن کا حال لکھا
تو بنگال کے تعلیم یافتہ لوگوں اور معزز خاتونوں کا تانتا لگ گیا۔ اِن ہزاروں۔
لاکھوں آدمیوں کو نصیحت کرنے میں وقت گزر جاتا۔ یونہی صبح سے شام ہوجاتی۔
کھانے پینے کی سُدھ بھی نہ رہتی۔ بلکہ بعض خواہشمند رات بھی اِنکے ساتھ گذارنی
چاہتے تھے۔ آپ بھی اپنے آرام کا خیال نہ کرکے اِن سے باتیں کرتے۔ بھگتی گیان
اور اس تک پہنچنے کا ذکر کرتے۔ گو اس محنت سے اِنکی صحت پر بڑا اثر پڑا مگر ان کا
قول تھا کہ "میں تمام قسم کی تکلیفیں یہانتک کہ مرنے کو بھی تیار ہوں اگر میرے
ایسا کرنے سے ایک ذی روح کو بھی دُکھوں سے چھٹکارا ہو"

موت — لگاتار محنت۔ راتوں کے جاگنے سے ۱۸۸۵ء کے شروع میں اِنکے
گلے میں تکلیف ہوگئی اور بڑھتے بڑھتے سرطان تک نوبت پہنچی۔ یہاں سے کلکتہ
بھیج دیئے گئے۔ "بابو مہندر لال سرکار" جیسے لایق ڈاکٹروں سے علاج کرایا گو ڈاکٹروں
نے اُنھیں بالکل خاموش رہنے کی ہدایت کی مگر خلقت کو جو دُور دُور سے اِنکے دو لفظ
سُننے آتی تھی دیکھکر ان سے چُپ نہ رہا جاتا تھا۔ اب گلے کی یہ حالت ہوگئی کہ دودھ
بھی نہ اُتر سکتا تھا مگر اس پر بھی خاموش نہ رہے۔

باوجود اس تکلیف کے اِنکے چہرے سے وہی دلیری وہی جلال۔ اور

بشاشت ٹپکتی تھی جو ہمیشہ دیکھنے میں آتی تھی۔ ۱۶ اگست ۱۸۸۶ء اتوار کی رات دس بجے انھوں نے سمادھی لگائی۔ جو پھر نہ اتری۔ شاگردوں نے خیال کیا کہ روز کی معمولی بات ہو کیونکہ سمادھی میں اچھے اچھے ڈاکٹر اور ویدوں کو بھی نبض نہ ملتی تھی نہ دل کی دھڑکن محسوس ہوتی تھی۔ مگر افسوس! وہ غلطی پر تھے اور یہ متبرک چشمہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا تھا۔

ان کے جسم کو گنگا جی کے کنارے کاشی پور میں جلا گیا۔ جہاں انکی سمادھ اب تک موجود ہے۔ اور بلور مٹھ کے نام سے ایک خانقاہ قائم ہے۔ یہاں سادھو رہتے ہیں۔ ویدانت کی تلقین ہوتی ہے۔ سال کے سال فروری کے مہینہ میں دعوت عام ہوتی ہے اور امریکہ تک کے عقیدت مند شریک بھنڈارا ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر رامچندر دت نے جو ان کا ایک لائق چیلا تھا تھوڑی سی بھشم کلکتہ کے قریب کاکڑ گاچھی گیان اودیوگ[۵] کے ایک باغ میں دفن کی۔

غلق کرشن جی کا معمول تھا کہ جہاں کہیں کسی لائق آدمی کا ذکر سُنتے فوراً ملنے جاتے۔ کیشب چندر سین کا حال سُنکر یہ خود ملنے گئے۔ اسیطرح کلکتہ کے مشہور رفارمر پنڈت ایشوری چند ودیا ساگر کے پاس انھوں نے اپنے شاگرد کو بھیجا کہ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مگر پنڈت جی سادھوں کے معتقد نہ تھے انکار کر دیا آپ خود گئے۔ پنڈت جی پر آپکی صورت کا یہ اثر ہوا کہ اُٹھکر تعظیم دی۔

رام کرشن جی بھی آدمی کو پرکھتے تھے۔ فرمایا کہ اب تک ہم نے نہریں ندیاں اور

ط سمادھی کی حالت میں یہ بالکل بے خبر ہوتے تھے۔ ایکدن چلتے ہوئے کوئلہ پر گر پڑے جو گوشت کو جلاتا ہوا جسم میں پیوست ہو گیا۔ اور انکو خبر تک نہ ہوئی۔ ہوش میں آنے پر سرجن کو بلواکر نکلوا دیا گیا۔

[۵] کلکتہ سے چار میل ایک سنسان جگہ ہے ۱۹۱۰ء میں۔ میں سید حیدر رضا صاحب بی اے اور مسٹر شنکر ناتھ ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا یہ مقام دیکھنے گئے تھے۔ اسوقت صرف چند سادھو رہتے تھے۔

اور دریا ہی دیکھے تھے اب سمندر کے قریب آگئے۔ ودیا ساگر (بحر علم) نے کہا
مہاراج سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا "مگر تہ میں تو موتی ہوتے ہیں"
دونوں بزرگ دیر تک باتیں کرتے رہے اور ملکر خوش ہوئے۔

اسی طرح متھرا جاتے وقت بنارس میں کسی کی تعریف سنی کہ بین اچھا
بجاتا ہے۔ متھرا ناتھ سے کہکر بلوایا مگر وہ نہ آیا۔ رام کرشن جی اسی کے
مکان پر پہنچے۔

موسیقی کا بحر — پیشتر لکھا جا چکا ہے کہ انکی آواز بڑی رسیلی اور سریلی تھی پریم
میں مگن ہو کر جب بھجن گاتے تھے تو سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے
تھے۔ اور ایک عجب عالمِ وجد طاری ہوتا تھا

انکسار — انھوں نے کبھی اپنے کو بڑا نہ سمجھا۔ نہ گرو یا ناصح کہلانا پسند کیا ایک
ایک کسان ملنے آیا اور ان سے چلم بھرنے کو کہا۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے چلم بھر دی۔
کوئی ڈاکٹر مندر کے باغ سے گزرتا تھا۔ مالی سمجھکر جوئی کے پھول مانگے۔
رام کرشن جی نے اسیوقت حاضر کیئے۔ معمولی حالت میں اپنے شاگردوں تک
کے پاؤں کی خاک سر پر ڈال لیتے تھے۔ لیکن حالتِ وجد میں بالکل بدلجاتے
تھے اور جس طرح بدھ کہا کرتے تھے کہ وہ قدیم بدھوں کی خاندان سے ہیں
اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دنیا میں آچکے ہیں۔ فرماتے "رام" "کرشن" "بدھ"
میں۔ سب ایک ہی ہیں۔ پیشتر بھی مختلف قالبوں میں ظاہر ہو چکا ہوں۔

رحم دلی — انکے رحم و محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بھوکی عورت کسی دن متواتر
مندر میں کھانا کھانے آتی رہی۔ دربان نے یہ دیکھکر ایک دن دھکا دیدیا۔
ان کو خبر ہوئی۔ رونے لگے آخر اسکو بلوا کر کھانا کھلوایا تو تسکین ہوئی۔
ایک شخص جس روز انکے پاس آتا دیر کی وجہ سے گھر نہ جا سکتا۔ اور

تمام دن بھوکا رہتا رام کرشن جی کو جب معلوم ہوا۔ آدمیوں سے کہا ان کو کھانا کھلا دو۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے تھالی منگا کر اپنے ہاتھ سے نوالہ منہ میں دیدیا۔

کسی شاگرد نے ایک دفعہ پاؤں چھونا چاہا۔ آپ نے پاؤں ہٹا لیا۔ شاگرد کو اس بات کا بڑا خیال ہوا۔ رات کو فکر سے نیند نہ آئی۔ سپہر جو گیا۔ آپ نے فرمایا دیکھنا کھجلی ہوتی ہے پاؤں سہلادو۔

بچوں سے خاص انس تھا جو کوئی کچھ لے جاتا سب بچوں کو بانٹ دیتے انھیں کھاتا دیکھکر خوش ہوتے۔

روپیہ سے نفرت متھرا ناتھ نے کئی دفعہ تمام مندر معہ اسکے متعلق جائداد کے جسکی آمدنی پچیس ہزار روپیہ سال تھی پیش کیا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ زیادہ اصرار پر کہا دق کروگے تو یہاں سے چلا جاؤں گا۔

ایک مارواڑی کئی ہزار روپیہ کی تھیلیاں لایا اور سامنے رکھدیں آپنے دیوی کی طرف رخ کیا اور روکر کہنے لگے۔ ماں ایسے لوگوں سے میرا پیچھا چھڑا روپیہ پیسے سے یہاں تک پرہیز تھا کہ سوتے میں بھی چھو جائے تو ہاتھ کانپنے لگتا تھا ؀

عادات و اطوار انکی عادتیں بچوں کی طرح سیدھی سادھی تھیں۔ تھوڑا سا کھانا کھاتے۔ پیدل چلنا دشوار تھا۔ دھوتی کھل جاتی اور انھیں خبر نہ ہوتی۔ سادگی سے بیٹھے باتیں کیا کرتے۔

ایکدفعہ انکے ہاتھ میں چوٹ لگی۔ ایک شخص ملنے آیا اور ڈنڈوت کر کے بیٹھ گیا۔ رام کرشن جی نے دریافت کیا کہاں سے آئے؟ اسنے عرض کی کلکتہ سے۔ آپ نے مندر کی طرف اشارہ کیا انھیں دیکھنے آئے ہو۔ اسنے جواب دیا۔ آپکے درشن کرنے آیا ہوں۔ اسپر آپ بچوں کی طرح بسور کر کہنے لگے " اجی مجھے کیا دیکھوگے

میرا تو ہاتھ ٹوٹ گیا" وہ شخص حیران ہوا کہ کیا کرے۔ جب ذرا چپ ہوئے تو کہا مہاراج جلد ہی اچھا ہو جائے گا۔ یہ سنکر آپنے اپنے بھانجے کو آواز دی۔ "ہردے" دیکھو! یہ بابو کلکتہ سے آئے ہیں اور کہتے ہیں ہاتھ جلد ہی اچھا ہو جائے گا۔ یہ کہا اور خیال میں گم ہو گئے۔

جن دنوں انہیں پیچش ہو رہی تھی اور ڈاکٹروں نے غذا موقوف کر رکھی تھی ایک شخص چند آم لایا اور اِنکے سامنے پیش کیئے آپنے لے لیئے کہ "ہردے" آگیا۔ اُسکی شکل دیکھتے ہی کانپ اُٹھے اور زور کہا۔ "میں نے نہیں منگائے یہ آپ سے آئے ہیں"۔

ایکدفعہ چاندنی رات میں جوار بھاٹے کی آواز سنکر سوتے سوتے چونک اُٹھے۔ چلو جوار بھاٹا دیکھیں گے یہ کہا اور ننگے ہی گنگا جی کی طرف دوڑ پڑے۔

رام کرشن جی کا مذہب اِنکے خیالات کا فوٹو تو ہم باب دوم میں پیش کرینگے مختصراً یہ ہے کہ آپ خدائی ہستی کے قائل تھے۔ آپ کا خیال تھا اِس کائنات کا ایک صانع ہے جو جہالت کی وجہ سے ہم کو نظر نہیں آتا۔ یہ رنگا رنگ صورتیں۔ چھوٹی بڑی شورتیں اُسکی قدرت سے قائم اور متحرک ہیں۔

اِس طاقت کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ صورت نہ شکل۔ جگہ نہ مقام۔ رنگ نہ ذائقہ۔ اُس تک پہنچنے کی نہ حواسوں میں طاقت نہ علم میں قدرت۔ لیکن اُس کا علم ایک خاص سرور ہے جو نہ بیان ہو سکتا ہے اور نہ کسیکو دکھایا جا سکتا ہے یقین اور کوشش ہی دو وسیلہ ہیں جن سے اُسکی شدھ بُدھ ہو سکتی ہے۔

مختلف مذہبوں کی بابت آپکی رائے تھی کہ ہم سب کا منزل مقصود ایک ہی ہے۔ فرق صرف طریقہ میں ہے نہ کہ اصل میں۔ تعصب بیوقوفی اور لاعلمی کی نشانی ہے۔ رام۔ کرشن۔ زردشت۔ حضرت محمد۔ مسیح۔ سب ایک ہی طاقت کا

ظہور ہے جو اپنا منشا پورا کرنے کو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئی ✦

تصنیف "رام کرشن جی" کو تصنیف کی فرصت نہ ملی۔ انکی چند نصیحتیں جو انکے شاگردوں نے جمع کرکے چھپوادی ہیں بنگال اور یورپ میں لوگ بڑے شوق و عقیدت سے پڑھتے ہیں ✦

شاگرد آپکے بیشمار مداحوں۔ معتقدوں۔ شاگردوں۔ میں ہم صرف ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہ شخص تھا جس پر "ہند" جتنا ناز کرے بجا و درست ہے۔ ہماری مراد مایہ ہندوستان۔ فخر ایشیا سوامی "ویکانند" سے ہے جسکی قابلیت کے آگے دنیا نے سر تسلیم خم کیا۔ امریکہ کے مشہور مذہبی جلسہ (parliment of riligions) نے جس میں ہر ایک مذہب و فرقہ کے فاضل جمع ہوئے تھے ہندوستان سے سوامی "ویکانند کو مدعو کیا تھا۔ انکے لکچر کا حاضرین پر خاص اثر ہوا۔ چنانچہ پریسیڈنٹ جلسہ نے ان کے بارے میں یہ لفظ کہے تھے جو وہاں کے اخباروں میں چھپے تھے۔ Vevaka-nand speaks with authority & with some power behind him یعنی ویکانند پورے یقین اور وثوق سے بولتا ہے اور کوئی غیر معمولی طاقت اسکی حامی ہے۔

انھوں نے ہندوستان۔ جاپان۔ یورپ و امریکہ میں بہت سے لکچر[1] دیئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج امریکہ کے مختلف شہروں میں کئی ہندو خانقاہیں ہیں جہاں ہندو اور امریکن سادھو رہتے ہیں ویدانت کی تلقین ہوتی ہے اور رام کرشن مشن کے سادھوں کی خاص عزت ہے۔ ہندوستان میں بھی کئی ہٹ و آشرم

---

[1] ان میں سے چند لکچر مدراس کے مشہور کتب فروش G. A. Kalesan & Co Madras سے مل سکتے ہیں۔ قابل دید ہیں ✦

قائم کیئے گئے ہیں جہاں بیماروں کا علاج ہوتا ہے۔ غریبوں کی مدد کیجاتی ہے۔

سبق رام کرشن جی کی سوانح عمری پر نظر ڈالنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جبتک مقصد کے لیئے دل میں اشتیاق اور شوق نہ ہوگا۔ دل یکسو ہو کر خیال میں محو نہ ہوگا۔ ہم کامیابی کی معیار پر نہیں پہنچ سکتے۔ رام کرشن جی دیوی کے فراق میں اسقدر بے چین تھے کہ نیند نہ آتی تھی۔ کھانا پینا برا معلوم ہوتا تھا۔ جب تک ایسی بے چینی ایسا زبردست خیال نہ ہوگا نتیجہ نہیں نکل سکتا ؁

دل کی خاصیت ہے کہ دنیاوی جاہ و حشمت کی طرف راغب ہوتا ہے عقلمندی یہی ہے کہ اس خیال میں محو نہ ہو۔ چنانچہ رام کرشن جی کو اکثر سبز باغ دکھائے گئے مگر یہ اپنی دُھن کے پکے متوجہ نہ ہوئے ؁

دنیا کا دستور ہے کہ جہاں کسی نے ذرا تعریف کردی بس اب آپ ہی آپ ہیں آپ کو مسجودِ ملائک اور سرافرازِ خلائق سمجھنے لگے۔ رام کرشن جی ایک اعلیٰ درجہ کے ریفارمر اور سچے مہاتما تھے لیکن ہمیشہ اپنے کو خادم مخلوق سمجھتے رہے۔ بڑا جاننا بزرگ کہلانا کبھی پسند نہ کیا ؁

مہابھارت" میں ایک روایت ہے کہ دھرم اوتار یدھشٹر کے ایک خیالی قصور پر یم راج (کاتب جزا و سزا) نے یدھشٹر کو سزا دینے کے لیئے کمیٹی کی۔ چونکہ یدھشٹر اعلیٰ درجہ کا گیانی تھا اور جسم کی محبت نہ تھی۔ جسمانی تکلیف اُس کے لیئے کوئی تکلیف نہ تھی اور سزا دینی ضروری تھی اس لیئے یہ تجویز قرار پائی کہ دوزخ کا نظارہ کرایا جائے تاکہ دوزخیوں کو دُکھ اُٹھاتے دیکھکر یدھشٹر کو تکلیف ہو ؁

سلہ ایکدفعہ ودیکانند جی نے رام کرشن جی سے دریافت کیا "مہاراج! آپ اسقدر بے چین کیوں ہیں؟" تو آپنے فرمایا "بھائی! برابر کے کمرے میں بہت سی اشرفیاں رکھی ہوں تو کیا چور جب تک کہ اُن پر قبضہ نہ کرلے چین آئیگا۔ بچہ جبتک ماں کی گود میں نہ پہنچ جائے کیا مچلنا چھوڑ دے؟"

رام کرشن جی "بدھ کی طرح مجسّم نیکی اور یڈمشٹر کی طرح رحم اوتار تھے جانداروں کو تکلیف میں دیکھ کر رہا نہ جاتا تھا۔ دوسروں کے دُکھ سے بے چین ہو جاتے تھے۔ یہانتک کہ کوئی اِنکے سامنے گھاس بھی روندتا تھا تو اِن کے آنسو نکل آتے تھے ✣

اِن کا مقولہ تھا۔

"وہ آنکھ اندھی ہے جو کسیکو بُرائی کے رستہ پر دیکھ کر منع نہیں کرتی"

"وہ زبان گُنگ ہے جو دوسرے کو تسلّی نہیں دیتی"

"وہ کان بہرے ہیں جو مظلوموں کی آہ پر متوجّہ نہیں ہوتے"

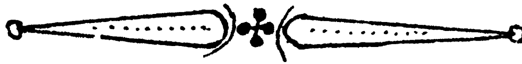
"وہ پاؤں لنگڑے ہیں جو کسیکی مدد کو نہیں پہنچتے"

"وہ ہاتھ بیکار ہیں جو ڈوبتے ہوئے کو سہارا نہیں دیتے"

"وہ روپیہ کنکر ہے جو پبلک کے کام میں نہ لگے۔"

"وہ علم بے سُود ہے جو لاعلموں کو راہِ حقیقت نہ دکھائے"

چنانچہ آپ آخری وقت بھی یہی اُپدیش کر رہے تھے کہ سانس پُورا ہو گیا۔



باب دوم

پرم ہنس جی کا خیال اور مذہب یعنی ویدانت فلاسفی اور اُسکی تلقین

دُنیا میں ہر ایک ذی روح کیا بڈھا کیا جوان۔ کیا راجہ کیا رنک غرض انسان سے لیکر حیوان اور راجہ سے لیکر پرجا تک یہی چاہتا ہے کہ خوشی حاصل ہو۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ "خوشی" کیا ہے۔ اور کیونکر ملتی ہے۔ کیونکہ اسکی بابت مختلف آدمیوں کی مختلف رائیں اور اُسے حاصل کرنیکے جُدا جُدا طریقے ہیں۔ کوئی اِس کا معیار زرق برق پوشاک تجویز کرتا ہے۔ ہر وقت فیشن کا دھیان ہے۔ سارا دن انگرکھے کی چُنٹ۔ کوٹ کی تہ اور بالوں کے سنوارنے میں گزرتا ہے۔ کوئی دولتِ دُنیا میں تلاش کرتا ہے۔ کوئی لمبے چوڑے خطاب۔ اعلیٰ ڈگریوں کی دھن میں خیالی پلاؤ پکا رہا ہے۔ کوئی کسی نازنین کے خیال میں محو ہے۔ غرضیکہ "فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اُوست"۔ ہر ایک اپنی اپنی راگنی آلاپ رہا ہے اور اپنے اپنے خیال اور سمجھ کے مطابق سب نے (اپنی) خوشی کی تعریف تجویز کر رکھی ہے۔ خواہ وہ صحیح ہو یا غلط اُسکے پیچھے لگا ہوا ہے ÷

لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ راجہ اپنے راج سے ایسے دُکھی ہیں کہ معمولی کسان کو بھی اپنے سے سُکھی سمجھتے ہیں اور اُسکی بھگکری کی نیند کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ فقیر اپنی کملی میں مست رہتے ہیں اور امیروں کو مخمل بھی بدن میں چُبھتی ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ "خوشی" نہ روپیہ خرید سکتے ہیں۔ نہ حکومت مرتبہ سے۔ آرام نہ عورت دے سکتی ہے نہ زرّیں پوشاک۔ خوشی کا باعث کوئی اور شے ہے +

لیکن دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں جس کا سبب نہ ہو کارج (معلول) کا کارن (علت) ضرور ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو شئے مطلوبہ کے ملنے پر خوشی تو ضرور ہوتی ہے مگر جس طرح کتا سوکھی ہڈی چباتے وقت اپنے منہ سے نکلے ہوئے خون کو ہڈی کا خون سمجھ کر مزے لیتا ہے۔ شئے مطلوبہ کے ملنے سے جو چند لمحہ تسکین سی ہوتی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ فلاں چیز سے خوشی ہوئی ورنہ دراصل "خوشی کا باعث صرف دل کا ٹھہر جانا ہے"۔ کیونکہ خوشی کا ظہور اُسی وقت ہوتا جب دل ایک خاص شے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اِس لیئے خوشی کی صحیح حالت اور سچی تعریف یہی ہے کہ "دل یکسو ہو کر خواہشوں کے پیچھے مارا مارا نہ پھرے"۔

"خواہشوں نے اِسے کیوں بے چین کر رکھا ہے؟ دل کیوں نہیں مایا کے بندھن سے چھوٹ کر آزاد ہو جاتا"؟

جبتک کسی شے کا سبب دُور نہیں ہوتا نتیجہ نکلتا رہتا ہے۔ جبتک راستہ سے روک دور نکر دی جائے کوئی آگے بڑھ نہیں سکتا۔ اِس لیئے جبتک انسانی ترقی کے ملیچ مَل[1] (سُستی - بُزدلی)، وکھیشپ (اضطراب)، اور نرٹر (لاعلمی) دور نہ ہونگے ترقی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] اصل میں مل کے معنی ہیں "میل"، میل سے مُراد ہے پاپ یا گناہ جو ہی سُستی اور بزدلی کا سبب ہے +

(۱) دل | دنیاوی تعلقات اور بیہودہ منو ویں دل ایسا محو ہے کہ اس کو نہ اپنی زبون حالت کا دھیان ہے نہ ترقی کا خیال۔ کبھی کہتا ہے لڑکا ذرا جوان ہو جائے تو اسے گھربار سونپ کر عاقبت کا فکر کروں۔ لڑکے کے جوان ہونے پر اسکی شادی کا بہانہ ہوتا ہے۔ شادی کے بعد پوتے کی آرزو ہوتی ہے۔ جن کے اولاد نہیں وہ کتے بلی پالتے ہیں۔ بندر پالتے ہیں۔ جانوروں کی شادی کر کے من کے چاؤ لگاتے ہیں۔ بعض سوچتے ہیں ابھی تو عمر پڑی ہوئی ہے توبہ بھی کر لیں گے۔ غرضیکہ بقول شنکر سوامی۔

बालस्तावत् क्रीडासक्तस्तरुणस्तावत्तरुणीरक्तः
वृद्धस्तावत् चिन्तामग्नः परब्रह्मणि कोऽपि न लग्नः

(ترجمہ) یعنی لڑکپن کھیل میں۔ جوانی امنگوں میں۔ اور بڑھاپا افسوس میں گزر جاتا ہے۔ عمر تمام ہو جاتی ہے۔ ایشور بھجن کا وقت نہیں ملتا۔ غرض نہ کچھ چھوٹتا ہے نہ کچھ ہوتا ہے اور نہ یہ خیال آتا ہے کہ کہاں تھا کہاں آ گیا؟ کیا تھا کیا ہو گیا؟ دوسرے کتنے آگے نکل گئے اور میں اپنی سستی بزدلی اور لاپروائی سے کتنے پیچھے رہ گیا۔ مدعا یہ کہ میلے کے کیڑے کی طرح وہیں پیدا ہوتا۔ وہیں رہتا۔ میلا ہی کھاتا اور میلے ہی میں مر جاتا ہے۔ اس سے نکلنا نصیب نہیں ہوتا ۔

(۲) وکشیپ | انسان کی یہ حالت ہے کہ دل ہر ایک چیز کو چاہتا ہے مگر جمتا کہیں بھی نہیں کبھی یہ۔ کبھی وہ۔ آج یہاں۔ کل وہاں۔ کام سینکڑوں شروع کرتا ہے۔ مگر چند دن کیا اور چھوڑ دیا۔ جو کچھ ہوا سو ادھورا ۔

جس طرح لہریں لیتے ہوئے پانی میں چاند ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نظر آتا ہے اسی طرح جب تک دل کی پرامن سطح خواہشوں سے ہلتی رہیگی اور دل مضطرب ہے نا[illegible]

ئہ اس افسوس میں کہ ہائے ایشور کا بھجن نہ کیا ۔

خدا کا جلوہ نظر نہیں آسکتا۔ جب اناج کے دانے بوری سے نکل کر بکھر گئے تو ان کا جمع کرنا مشکل ہے اسی طرح جو دل یہاں۔ وہاں۔ اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے اور کئی طرف متوجہ ہے اُس کا یکسو ہونا کٹھن ہے۔

(۳) آوزنٹر | جس طرح ہرن مرگ ترشنا (سراب) کے جل سے پیاس بجھانے کے دھوکے میں اُسکے پیچھے دوڑتا اور تڑپ کر جان دیدیتا ہے۔ ریشم کا کیڑا اپنی موت کے لئے کویہ تنتا ہے ہم اپنی آنکھ کے قصور سے اندھیرے میں درخت کے ٹھنٹ کو چور سمجھکر ڈرتے ہیں۔ اِنسان اپنی ہی غلطی سے جھوٹی خوشی سے دل لگا کر ہچتاتا ہے آپ ہی پیدا کی ہوئی تکلیف اور اپنے ہی خیالی خطرہ سے دُکھ اُٹھاتا اور ڈرتا ہے۔ جس طرح کائی سے ڈھکے ہوئے تالاب میں نیچے تیرتی ہوئی مچھلیاں دکھائی نہیں دیتیں دن کو آسمان پر موجود ستارے نظر نہیں آتے ہمیں جہالت سے ترقی کا راستہ نظر نہیں آتا ۔

جس طرح آفتاب زمین سے دُور ہونے سے چھوٹا نظر آتا ہے ہم اپنی لاعلمی سے آزادی کی قدر اور بزرگی کو نہیں پہچانتے ۔

کسی گڈریے کو جنگل میں ایک چھوٹا سا شیر کا بچہ مل گیا اور اُسنے اُسے بھیڑوں میں لاکر چھوڑ دیا۔ ایک دن بھیڑیں جنگل میں چر رہی تھیں کہ یوڑ پر شیر آپڑا۔ مگر شیر بڑا حیران ہوا جب اُسنے شیر کے بچے کو بزدلی سے بھیڑوں کے ساتھ بھاگتے دیکھا۔ شیر نے بھیڑ کو چھوڑ بچے کو پکڑ لیا اور دریافت کیا تو کون ہے ؟ بچے نے کانپتے ہوئے جواب دیا "اے شہنشاہ میں ایک غریب بھیڑ ہوں۔ میری جان بخشی کیجئے! تاکہ میں اپنی سہیلیوں سے جا ملوں!! شیر نے اِس کا کچھ جواب ندیا اور بچے کو لئے ہوئے دریا پر پہنچا۔ کنارے پر جاکر بچے کو اپنا اور اُس کا سایہ دکھاکر دریافت کیا "میری اور تیری صورت میں کیا فرق ہے ؟" بچے نے جواب دیا "کچھ نہیں" پھر شیر دہاڑا

اور بچے سے کہا تو بھی دہاڑ۔ بچے نے اسکی تعمیل کی اور زور سے دہاڑا۔ اب شیر نے دریافت کیا بتا تو کون ہے؟ بچے نے کہا میں تیری طرح شیر ہوں۔ اس جنگل میں میرا راج ہے۔ اس جنگل کے ہرن پاڑے میرا شکار اور میری ملکیت ہیں۔ بہتر ہے کہ تو کسی اور جنگل میں چلا جا۔ میری ناواقفی سے تو میرا حق تیر کرتا رہا مگر اب میں تجھے ہاتھ تک نہ لگانے دونگا۔ کیونکہ اب میں سنبھل گیا ہوں۔ مجھے میری اصلیت معلوم ہوگئی ہے اب میں تیری رعیت بن کر نہیں رہ سکتا۔ گو یہ سب کچھ تیری بدولت ہے اور میں تیری اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر کہا کروں حچاسودی کا یہ آئین کہ "دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند" توڑ نہیں سکتا۔ لہذا میں اور تم ایک ہی جگہ رہ نہیں سکتے۔ یہ سنکر شیر ڈرا کہ ایسا نہ ہو یہ نوجوان پٹھا مجھ بوڑھے کو پھاڑ کھائے اور میں گھر تک بھی نہ پہنچوں۔ دم دبا کر چلتا بنا۔ مگر دل میں خوش تھا کہ برادری میں بڑی عزت ہوگی۔ دنیا میں نام ہوجائے گا کہ اسنے خدا واسطے ایک ہم جنس کی جہالت دور کرکے ترقی کی معیار پر پہنچا دیا۔ اسی طرح ہم نالایقی سے بزدلی کا شکار ہوئے ہیں

بربرّیت بھاؤنا خیالِ معکوس

بعض دفعہ جہالت سے ہم کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ دوست کو دشمن دشمن کو دوست۔ صحیح کو غلط۔ غلط کو صحیح مان لیتے ہیں۔ دھوکے بازوں کے دھوکے میں آکے انھیں دوست سمجھ کے گھر بار سونپ دیتے ہیں دوستوں کا گلا کاٹ کر ان کا گھر بھرتے ہیں۔

بھید گیان (دوئی)

جس طرح نافے والا ہرن (کستورا ہرن) یہ نہ سمجھکر کہ مشک میری ہی ناف میں موجود ہے خوشبو کی تلاش میں بھاگا بھاگا پھرتا ہے اور ہانپ ہانپ کر مر جاتا ہے انسان خوشی کے اصلی چشمے "آتما گیان (علم حقیقت)" کی طرف تو متوجہ ہوتا نہیں دنیاوی خوشی کے پیچھے بھٹک رہا ہے اور لاعلمی سے خدا کو اپنے سے دور اور جدا سمجھتا ہے۔

اسم بھاؤ نا (شک) | جہالت کبھی کبھی شک کی صورت اختیار کرتی ہے۔ یعنی کبھی کسی بزرگ کی نیک نصیحت۔ کامل کی دعا۔ سادھو کے ست سنگ۔ اور گرو کی کرپا سے انسان کو کچھ ملجاتا ہے تو دل سیدھے راستے پر ہو لیتا ہے مگر چونکہ شک اُسکی سرشت میں ہے۔ جہاں شیطان نے اُنگلی دکھائی اور یہ اُلٹا پھرا۔ پھر کوئی لاکھ کہے۔ جی میں جی ڈالے کلیجہ تک نکال کے رکھدے مگر انھیں یقین نہیں آتا۔ جو مان لیا۔ مان لیا۔ چنانچہ ایک روایت ہے۔

ایک راجہ کے چند وزیروں نے راجہ کو ایک خاص وزیر پر زیادہ مہربان دیکھکر اُسے علیحدہ کرنیکے لیئے کسی غنیم کو اکسا کر اُسکے مقابلہ کو بھجوادیا وزیر صاحب کو گئے ہوئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے کہ دربار میں ایک وزیر نے عرض کی۔ حضور گو دشمن کے پاس بہت فوج ہے مگر ہمارے وزیر صاحب بڑی مردانگی سے لڑ رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے باغیوں میں سے کسی کو قید کیکو جلا وطن۔ کسی کو قتل کر کے۔ اِنکی طاقت کم کر دی ہے۔ دشمن کے سرداروں کو روپیہ۔ لالچ او خطاب و مرتبہ کے اقرار سے اپنی طرف توڑ کر اُنکے گھر میں پھوٹ ڈلوادی ہے۔ دوسرے دن رپورٹ کی آج شاہی وزیر بیر سنگھ نے دشمن سے دو گاؤں چھین لیئے۔ پھر خبر سنائی۔ حضور افسوس! بیر سنگھ میدان جنگ میں مارا گیا۔

ادھر بیر سنگھ اس بہادری سے لڑا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور بھاگتے ہوؤں کا ایسا پیچھا کیا کہ ایک بھی جیتا نہ پھرا۔ غرضیکہ بیر سنگھ فتح کے شادیانے بجاتا شیخ چلی بنا تحسین و آفرین کی امیدیں لاتے ہوئے چلا آتا تھا کہ ادھر اُنے دربار کا حال سنایا۔ اب کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ پاؤں کے نیچے کی مٹی نکل گئی۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور بیچارہ پاؤں سر پر رکھ

گرتا پڑتا۔ راتوں رات جنگل کی طرف بھاگا۔

حاسد وزیر ہیر سنگھ کو جیتا جاگتا سُن کے ڈرے کہ ایسا نہ ہو کسی دن راجہ کا اُس سے سامنا ہوجائے اور ہیر سنگھ راجہ کو کچا چٹھا سُنا دے۔ آخر سوچتے سوچتے مطلب کی بات سوچی اور ایک دن ایک وزیر نے راجہ سے کہا۔ آن داتا میں کل جنگل میں سیر کر رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی نے جھاڑی میں سے نکل کر میرے پاؤں پر سر رکھ دیا اور کہا مہاراج! میں لڑائی میں مرا نہیں کسی نے آپکو بہکا دیا ہے۔ میں تو آپکے صدقہ سے ابھی زندہ ہوں اپنے قدیمی نمک خوار ہیر سنگھ کا قصور معاف ہو۔

ہیر سنگھ کا نام سُنکر پرتھی ناتھ میں چونکا اور اُسکی طرف نگاہ کی۔ دیکھوں توشکل وصورت۔ چہرہ مُہرہ۔ چال ڈھال آواز سب ہیر سنگھ کی سی۔ مگر ہیر اُسنے تھے۔ پہلے تو دھرم اوتار! میں ڈرا مگر پھر جی کڑا کر کے تیغ چلا دیا۔ فیر کرتے ہی وہ شکل غائب ہوگئی۔ مگر حضور! میرا کلیجہ ابتک دھک دھک کر رہا ہے مہاراج ادھیراج! آپ کبھی شکار کو نہ جائیں۔ اور کسی دن ارادہ بھی کریں تو اِس جان نثار خیرخواہ کو ساتھ لے لیں ورنہ ایسا نہ ہو وہ چوٹ کر بیٹھے۔

اِسکے چند روز بعد راجہ ایک دن شکار کو گیا۔ اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ ہرن تو بچ کر نکل گیا مگر راجہ تھک کر ایک درخت کے نیچے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔ ہیر سنگھ جو موقع کی تلاش میں جنگل میں پھرا کرتا تھا راجہ کو دیکھ کر پھولا نہ سمایا۔ باچھیں کھل گئیں اور دوڑ کر راجہ کے قدموں کی طرف بڑھا۔ مگر راجہ کو شیطان نے بہکا رکھا تھا۔ ہیر سنگھ کو بھوت سمجھ کر فوراً گولی ماردی اور جھپٹ نے خیرخواہوں کے کہنے میں آکر کانوں کے کچے راجہ نے اپنے سچے نمک حلال وزیر کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اِسی طرح دل خود اپنی غلط فہمیاں

سے مصیبتوں کا شکار رہوتا ہے۔

آہنکار (غرور) | جہالت بعض دفعہ غرور کا جامہ پہن لیتی ہے چنانچہ روایت ہے کہ ایک جوگی درخت کے نیچے بیٹھا دھیان میں مشغول تھا کہ اُوپر سے چڑیا نے بیٹ کر دی اور جوگی کا دھیان ٹوٹ گیا غصے سے جو اُوپر دیکھا چڑیا جل بھنکر خاک ہو گئی اِسپر جوگی اپنے کو کچھ سمجھ دھیان چھوڑ بھجن سے مُنہ موڑ گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ اور ایک گھر پر الکھ جگایا۔ بھوجن کا سوال کیا۔ اندر سے آواز آئی۔ باباجی ٹھیر جاؤ۔ جوگی دیر تک انتظار کرتا رہا مگر کوئی نہ نکلا۔ لیکن پاؤ گھنٹہ کے بعد ایک عورت کچھ لیکر حاضر ہوئی۔ تو اپنے کمال پر نازاں جوگی نے غصے سے عورت کی طرف دیکھا مگر عورت بھی پہنچی ہوئی تھی فوراً بولی " بچہ بھسم کرنے کا وقت گیا۔ جاؤ کچھ دن تپسیا کر کے آہنکار کا ناش کرو +

جس طرح جس مٹی کے پیالے میں ایک دفعہ لہسن کا عرق رہچکا ہے اُسے کتنا ہی رگڑ رگڑ کر صاف کرو بُو دور نہیں ہوتی۔ اسی طرح غرور ایسی خراب چیز ہے کہ اِسکی جڑ جانی مشکل ہے۔

جس طرح جس برتن میں ذرا سا بھی جز کھٹائی کا ہوگا دودھ ڈالتے ہی پھٹ جائیگا۔ اسیطرح مغرور کو کیسی ہی عمدہ سے عمدہ نصیحت کرو وہ اُس سے خراب ہی نتیجہ نکالتا ہے

چنانچہ مہاراج چانڑک رشی فرماتے ہیں۔

गुणागुणज्ञेषुगुणभवन्ति तेनिर्गुणंप्राप्यभवन्तिदोषाः

आस्वाद्यतोयाप्रभवन्तिनद्यःसमुद्रमासाद्यभवन्त्य पेया

یعنی خوبی لائقوں کے پاس "خوبی" ہوتی ہے مگر نالائقوں کے پاس وہی خوبی "برائی" بن جاتی ہے۔ جس طرح گنگاجی کا میٹھا جل سمندر میں جاتے ہی کھاری ہو جاتا ہے۔

جس طرح بنجر زمین میں بیج رائگاں جاتا ہے اسیطرح جن کے دل میں اہنکار کا شور موجود ہے اِن سے بات کہہ کے کھودینی ہے۔

جس طرح ناریل کے پتے گر پڑتے ہیں تو بھی تنہ پر نشان قائم رہتے ہیں اسیطرح خودی اپنا اثر ضرور قائم رکھتی ہے۔

جس طرح آفتاب تمام جہان کو روشن کرتا اور گرمی پہنچاتا ہے لیکن جب ابر ہوتا ہے تو کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اِسی طرح جب تک روح پر خودی حاوی ہے اسپر خدا کا ظہور نہیں ہوسکتا۔

جس طرح مٹی میں دبا ہوا مقناطیس لوہے کو نہیں کھینچ سکتا۔ پتھر سے ڈھکی ہوئی آگ جلا نہیں سکتی۔ غرور اور تکبر بھرے دل کو نہ وصل کا شوق بیچین کرسکتا ہے اور نہ خدا کی طرف کشش ہوتی ہے۔

جس طرح گھونگریالا بال سیدھا نہیں ہوتا۔ کج فہم سیدھا نہیں ہوتا۔
جس طرح چکنے کاغذ پر لکھا نہیں جاتا۔ چکنے گھڑے پر اثر نہیں ہوتا۔
جس طرح پرندوں میں کوّے سے زیادہ سیانہ وہ دیوانہ کبھی جال میں نہیں پھنستا۔ خطرے کا خیال آتے ہی اُڑ جاتا ہے۔ کھانا بڑی عیاری سے تیر کرتا ہے لیکن یہی عیاری اور سیانہ پن غلاظت پر مُنہ ڈلواتی ہے اسی طرح جو اپنی قابلیت پر نازاں ہیں وہ ہمیشہ نیچا دیکھتے ہیں۔

جس طرح ریتلی زمین پر پانی پڑتے ہی خشک ہو جاتا ہے۔ غرور اور نمود بھرے دل پر بھجن اور دھیان کچھ اثر نہیں کرتا۔

پکشپات (تعصب)

غرور یہاں تک اندھا کرتا ہے کہ انسان کسی کو خاطر میں نہیں لاتا جن کو اپنی وضع اور خیال کے خلاف دیکھتا ہے اُن سے خواہ مخواہ کا بغض ہو جاتا ہے۔ اُنکی عبادت میں دخل دیتا ہے۔ انکے خیالات پر ہنستا ہے انکی مذمت اور بدگوئی کرتا ہے۔ اُنکے راستے میں مشکلیں پیدا کرتا ہے۔ اُنکے بزرگوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ گالیاں دیتا ہے۔ بے ادبی کرتا ہے۔ ان کی پرستشگاہوں کو ڈھوا دیتا ہے۔ اِنکے خیرخواہوں کو ڈراتا دھمکاتا اور تکلیف پہنچاتا ہے اِنکو انکے بیوی بچّوں سے علٰحدہ کر دیتا ہے۔ اہل وعیال کو کولھو میں پلوا دیتا ہے۔ پھانسی دیدیتا ہے۔ زندہ جلادیتا ہے۔ جانوروں سے بوٹیاں نچواتا ہے۔ جسم کو آروں سے کٹوا کر کووں کو کھلا دیتا ہے۔ اصلی مستحقوں سے اُن کا حق چھین کر اپنوں کو دیتا ہے۔ غرضکہ وہ کونسی ناانصافی ہے۔ وہ کونسی بدعت ہے۔ وہ کونسی بے رحمی ہے۔ وہ کونسا گناہِ عظیم اور مہاپاپ ہے جو یہ غرور اور تعصب سے نہیں کرتا۔

اَن ادھکاری (ناقابلیت)

جس طرح مگرمچھ کی جلد پر کسی ہتھیار کا اثر نہیں ہوتا۔ نالائق پر نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ جس طرح سیلی ہوئی دیاسلائی شعلہ نہیں دیتی۔ کتنی ہی کوشش کرو ہری لکڑی نہیں جلتی۔ اِسی طرح جس کا دل لاعلمی سے تاریک ہو رہا ہے عمدہ بات اُسکے دماغ کو روشن نہیں کرسکتی۔

جس طرح پُل سے پانی ایک طرف داخل ہو کر فوراً دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ نالائق بھلی بات ایک کان سن دوسرے کان نکال دیتا ہے۔

جس طرح چھلنی آٹا چھان بھُوسی رکھ لیتی ہے نالائق نیکی کو چھوڑ بدی قبول کرتا ہے۔

جس طرح سورج کی کرن سب جگہ یکساں پڑتی ہے لیکن معکوس صرف

شیشے جیسی چمکدار چیزوں پر ہوتی ہے۔ خدا کی ضیا رلائق نالائق دونوں کے لئے منور لیکن لائق ہی اُس سے روشنی پاتے ہیں۔

جس طرح ملیاگیر کی ہوا سے ٹھوس درخت ہی صندل بنتے ہیں۔ بانس کیلے جیسے کھوکھلے درختوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح لائق کی صحبت سے لائق ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ نالائق ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔

جس طرح بارش سے زرخیز زمین ہی فائدہ اُٹھاتی ہے۔ کابل کی مہربانی کی قدر لائق ہی کو ہوتی ہے۔

جس طرح پانی پتھر میں جذب نہیں ہوتا۔ اسیطرح بیوقوف نصیحت قبول نہیں کرتا جس طرح ملائم مٹی پر نقش فوراً ہوجاتا ہے۔ اسیطرح لائق کو جو سمجھاؤ اُسی وقت سمجھ جاتا ہے۔

ادھکاری (قابل) اس لئے ہم جس چیز کے خواہشمند ہیں ہمیں چاہیئے کہ اُسکے قابل بھی بنیں۔ ہمارے کے سفر میں شبنم کا قطرہ اور آبِ رواں کا قطرہ کام نہ دیگا۔ ہم میں جبتک جس عہدہ کی آرزو ہے وہاں کام کرنیکی قابلیت نہ ہوگی۔ اگر کوئی مہربانی یا سعی و سفارش سے وہ جگہ دے بھی دے۔ خرچ کرکے وہاں تک پہنچ بھی جائیں لیکن کام نہ چلے گا۔ پس چاہیئے کہ دشمن کے مقابلے کے لئے پورے سامان سے لیس رہیں۔

اب جبکہ ہمارے نقص معلوم ہوگئے۔ دشمن مقابلے میں آگیا تو یہ سوال ہوتا ہے کہ نقصوں کا رفع ہونا ممکن ہے یا کن علاج ہمارے بس کا ہے یا قابو سے باہر۔

جگت پہلے دھوکا ہے ویدانت کا سدھانت ہے کہ جگت متھیا ہے۔ اور مایا اٹادی شانت ہے۔ دُنیا کی صورتیں جھوٹی ہیں جو دھوکے سے نظر آتی ہیں اور دھوکے یا مغالطے کی شروع کا تو علم نہیں مگر اسکی انتہا ضرور ہے۔ رسی کو سانپ سمجھ کر ڈرنا

لے یعنی ساحل مالابار کی ہوا جہاں صندل پیدا ہوتا ہے ۱۲ +

چند ہی منٹ میں دُور ہو جاتا ہے پس وصو کا عارضی ہے۔ انسانی نقص دُور ہو سکتا ہے اور یہ دُصو کے کے فریب سے بچ سکتا ہے۔

سمے سم بید۔ خود کو معلوم ہونے والا۔

بعض شخص سوال کیا کرتے ہیں کہ نقص پیدا کیوں ہوا۔ ویدانت کہتا ہے کہ ہم اس کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ جو معاملہ خود کو معلوم ہونے کا ہے دوسرا نہیں بتا سکتا۔ جب تم تحقیقات کرو گے کہ نقص کیا ہے تمکو اسکی اصلیت اور شروع معلوم ہو جائیگی۔ کسی کی اتنی طاقت نہیں کہ گڑ اور بتاشے کھا کر دوسروں کو اُنکے ذائقہ کا ٹھیک فرق دکھا دے۔ پس اِس فکر کو چھوڑ مغالطے کا خیال کرو۔ کیا بے وقوف ہی وہ کہ جسکے پاؤں میں کانٹا چُبھ جائے اور بجائے اِسکے کہ کانٹا نکالنے کی تدبیر کرکے اُسی تکلیف سے بچے یہ سوچنے لگے۔ کانٹا کہاں سے آیا؟ کون لایا؟ کیوں لایا؟ کانٹا خدا نے کیوں پیدا کیا۔؟ ویدانت کہتا ہے کہ جب گیان ہوگا۔ قدرت کے اسرار تم پر خود بخود روشن ہو جائیں گے۔ اِس لیئے اِس اُلجھن میں نہ پڑو اور "علم" حاصل کرنیکی کوشش کرو جس سے یہ لاعلمی اور بے اُصول سوال کرنا دُور رہو۔

کرم (فعل)

کوشش کرنے میں ہم خود مختار ہیں۔ ہمارے لیئے دونوں راہیں کھلی ہیں کیونکہ کوشش نام کرم یا فعل کا ہے۔ وہ فعل۔ وہ خیال۔ وہ حرکت۔ جس سے اِنسانی حالت میں نیک یا بد کسی قسم کا تغیّر پیدا ہو کرم کہلاتا ہے۔ ادنیٰ۔ اعلیٰ بُرے۔ بھلے۔ ہر ایک فعل کو کرم کہتے ہیں۔ ہماری ترقی کا باعث بھی کرم ہے اور تنزل کی وجہ بھی کرم۔ ہماری موجودہ زبوں حالت بھی ہمارے گذشتہ بُرے فعلوں کا نتیجہ ہے اور آیندہ کی کُنجی بھی کرم کے ہاتھ میں ہے۔ مثلاً۔ اِیک نوجوان جو عین عالم شباب میں بڈھا معلوم ہوتا ہے رخسارے پچک گئے ہیں چہرہ پر زردی چھا رہی ہے۔ اِسی کی غلط کاریوں کا نتیجہ ہے۔ اور ایک عمر رسیدہ

کا بیٹے سکتے جوان کی طرح کام کرنا - لال چھندر بنے رہنا - جوانی کے رکھ رکھاؤ اور اسکی پارسائی کی بدولت ہے -

غرضیکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی - کرم ہی اونچے سے نیچے گرا دیتا ہے. اور کرم ہی پستی سے اٹھا کر عالم بالا کی سیر کراتا ہے - پس ہمیں چاہیئے کہ ترقی کے راستے پر چلنے کی کوشش کریں +

پرشارتھ - کوشش نیک

گو "کرم" ادنیٰ و اعلیٰ دونوں ہیں مگر ہمارا کام اسی کرم سے نکلے گا جو ہمیں ہمارے نقطۂ خیال کی طرف لیجائے - سنسکرت میں ایسے کرم کو "پُرشارتھ" کہتے ہیں - پُرشارتھ "پُرش" اور "ارتھ" دو لفظوں سے ملکر بنا ہے "پُرش" کے معنی "انسانی" اور "ارتھ" کا ترجمہ "مقصد" ہے - گویا مقصد" کے لیئے "انسانی کوشش" یا "کوشش نیک" کا نام "پُرشارتھ" ہے اس لیئے ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم کوشش کریں اور بقول سوامی وویکانند

arise awake a stop not till the goal is reached.

(ترجمہ "سنبھلو! بڑھے چلے جاؤ!! - اور دم نہ لو جبتک کہ پالا نہ مار لو!!!) جبتک کہ منزلِ مقصود نہ آجائے ہمارا مدعا پورا نہ ہو ہمیں چاہیئے کہ استقلال اور مردانگی سے کوشش کیئے جائیں -

جس طرح پیدائشی کسان خواہ بارہ برس تک مینہ نہ برسے جوتنا اور بونا نہیں چھوڑتا انسان کو بھی چاہیئے کہ کوشش کرنی نہ چھوڑے -

جس طرح تنکوں اور گھاس پھوس سے روشن کی ہوئی آگ کو برابر پھونکتے نہ رہو تو بجھ جاتی ہے - وحدانیت کی آگ روشن رکھنے کے لیئے مسلسل کوشش کی ضرورت ہے + اگر مٹی کے برتن میں پانی بھر کر علیحدہ رکھ دیں تو پانی چند روز میں خشک ہو جائیگا لیکن برتن کو پانی میں ڈالدیں تو کبھی خشک نہ ہوگا - یہی حال خدائی محبت کا ہے -

کہ چند روز ایک کام کرو اور دوسری طرف متوجہ ہو جاؤ تو اعلیٰ خیال جلد جاتے رہتے ہیں۔ اور جو ہر وقت کوشش کے خیال میں غرق رہو تو دل نیک خیالوں سے پُر رہتا ہے۔ برتن کو اگر ہر روز صاف نہ کریں تو میلا ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح دل کی کدورت صاف کرنے کے لیئے ہر روز کوشش کرنی چاہیئے۔

نجوم کی کتابوں میں بارش کی پیشین گوئی کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن کتاب کو نچوڑ دو تو نمی تک نہ معلوم ہو گی۔ اِسی طرح کتابوں میں اعلیٰ نصیحتیں موجود ہیں۔ لیکن صرف پڑھنے سے کوئی پاک نہیں ہوتا۔ اُن میں جن باتوں کا اُپدیش ہے اُس پر عمل بھی کرنا چاہیئے۔

سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ خالی کہدینے سے کوئی گویّا نہیں ہوتا تال۔ سُر کی تمیز کے لیئے ضروری ہے کہ باجے پر مشق کرے۔ اِسی طرح کتابوں کے صرف نام یاد کر لینے سے کوئی فاضل نہیں بن سکتا۔

جس طرح لندن یا پیرس کا خالی نام لینے یا نقشہ دیکھ لینے سے کسی کو حظ نہیں آتا۔ "حلوا حلوا" کہنے سے مُنہ میٹھا نہیں ہوتا۔ "روشنی روشنی" کہدینے سے اندھیرا دُور نہیں ہوتا۔ اسیطرح لندن تک جانے ہی سے وہاں کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ حلوا کھانے ہی سے مزا آتا ہے۔ روشنی ہونے ہی سے اندھیرا دُور ہوتا ہے۔

ماں بچّوں کو کھلونے دیکر کام کرنا چاہتی ہے۔ اور بچّے اکثر ان سے کھیلنے لگتے ہیں مگر جو دودھ کے بھوکے ہیں کھلونوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیتے۔ اور روتے ہوئے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں تو ماں انھیں گود میں اُٹھا لیتی ہے۔ اِسیطرح جو کوشش کرتا ہے اُسے راحت و آرام کی گود نصیب ہوتی ہے۔

دودھ کے نیچے جبتک آگ جلتی رہتی ہے اُبلتا اور جوش کھاتا رہتا ہے۔

لیکن جہاں آگ دور ہوئی دودھ ٹھنڈا ہوا۔ اسی طرح ہندی جبتک ریاض کرتا ہے دم بدم شوق پیدا ہوتا اور اشتیاق بڑھتا ہے۔ لیکن ریاض چھوٹا اور جوش ٹھنڈا ہوا۔

حاصل کلام بغیر کوشش کچھ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ گسائیں تلسی داس جی فرماتے ہیں۔

"دوہا"

دھن دھن کہے جو دھن ہوئی
تو دھن رہے نہ جگ میں کوئی

"کوشش کوشش" کہہ لینے۔ یا لفظ "کوشش" کتاب میں پڑھ لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ کوشش کرنے کا کام ہے۔

(صبر و استقلال) لیکن جس طرح کسان بیج ڈالکے صبر کے ساتھ فصل کا انتظار کرتا ہے بوتے ہی کاٹنے کو تیار نہیں ہوجاتا۔ اسیطرح انسان کو چاہیئے کہ صبر سے اپنے کام میں لگا رہے۔ نتیجہ کے لیئے جلدی نہ کرے۔

جس طرح شکاری کانٹا ڈالکر خاموش اور صبر سے شکار کا انتظار کرتا ہے تو دیر یا جلدی مچھلی ضرور آجاتی ہے۔ طالب حق کو بھی چاہیئے کہ خیال میں لگا رہے عشق جب کمال پر پہنچے گا تو معشوق خود کھنچا چلا آئیگا۔

دودھ جس میں دوگنا چوگنا پانی ملا ہوا ہے صبر کے ساتھ آگ پر رکھا رہے تو کہیں پانی جلکر کھویا بنتا ہے۔ ایسے ہی۔ اُس دل کو جسے برے اور فضول خیالوں نے خراب کر رکھا ہے پاک کرنیکے لیئے بڑی محنت اور وقت کی ضرورت ہے۔

بعض دفعہ قاتل ایسے روپوش ہوتے ہیں کہ سراغ نہیں چلتا۔ ایسے وقت صاحب ہمت کھوجی تو مایوس نہیں ہوتے۔ برابر کوشش کیئے جاتے ہیں۔ اور آخر پتہ لگا ہی لیتے ہیں۔ مگر کم ہمت پولیس مین کو تھوڑے دنوں کی دوڑ دھوپ سے

مدعا نہیں ملتا تو ہمت ہار کے تحقیقات چھوڑ دیتے ہیں۔ اسیطرح کوشش کا نتیجہ ضرور نکلتا ہے۔ مگر معلوم نہیں کب۔ ممکن ہے کہ ابھی۔ ممکن ہے کہ برس دن میں۔ شاید پچاس برس میں۔ اور ممکن ہے کہ پشتوں میں۔ کیونکہ جس طرح منزل پر پہنچنے کے وقت کا دارمدار مسافر کی طاقت اور تیز رفتاری پر ہے۔ کوشش کے نتیجہ کا ظہور ہمارے حوصلہ اور شوق پر منحصر ہے۔ پس اس لیئے کہ جلد باز۔ بے صبرا۔ وقت سے پہلے نتیجہ کے لیئے بے قرار ہو کر ہمت نہ ہار دے۔ مایوس ہو کر نتیجے کے اقرار کو یاروں کا ہمراہی سمجھے۔ اور کوشش چھوڑ کر ساحلِ کامیابی سے محروم نہ رہ جائے۔ ویدانت کہتا ہے کہ "کرم" اپنا کرم یعنی دھرم اور فرض سمجھ کر کرو۔ فرض کے ساتھ بدلے کا خیال ہے تو وہ فرض نہیں۔ سوامی ویویکانند بھی اسکی تائید میں فرماتے ہیں :۔ duty for duty's sake and not for trade

یعنی "ڈیوٹی" ڈیوٹی سمجھ کر کرو کسی "نتیجہ کے خیال سے" نہیں کیونکہ پھر یہ بیوپار ہے فرض نہیں۔ اس لیئے جب تم کسی کی مدد کرو۔ تم سے کوئی قومی یا ملکی خدمت بن آئے تو خوش ہو اور اپنے کو بڑا خوش نصیب سمجھو کہ خدا نے تمھیں تمھارا فرض ادا کرنیکی توفیق دی۔ کیونکہ فرض کے قرضے سے سبکدوش ہونا۔ ایک بڑی ذمہ داری سے ادا ہوتا ہے۔ اِس کا بدلہ اس سے بڑھکر اَور کیا ہوگا کہ فرض بجا نہ لانے سے جو پاپ ہوتا فرض پورا کرکے تم اُس کے گناہ سے بچ گئے۔ پس جنکی نگاہ بجائے ورکوشش" کے "نتیجہ" پر ہے۔ اِنکی کوشش کچھ کام ہی نہیں دیتی۔

تلکشا بہ وحشت | مگر جس طرح دودھ پیتا بچہ چلنا سیکھنے سے پہلے بیسیوں مرتبہ ٹھوکریں کھاتا اور گر گر پڑتا ہے۔ کمال تک پہنچنے میں صدہا افتادیں پڑتی ہیں کام میں الجھن (رکاوٹ) ہوتا ہے۔ جس طرح لوہا کئی بار تپ اور کٹ کر اصلی فولاد بنتا ہے۔

لائق ہونے کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ تکلیفوں کی بھٹی میں تپے۔ اور آزمائشوں کے ہتوڑوں سے کوٹا جائے۔

غرضکہ ہر کام کے شروع میں دقتیں ہوتی ہیں مشکلیں پیش آتی ہیں تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ جس طرح کہ پکے پکائے کھیت کو پالا مار جانے۔ ٹڈیوں کے کھا جانے اور کھڑی فصل کو چوروں کے کاٹ لیجانے سے کسان غم سے سہم جاتا ہے۔ اور جس طرح طوطا ساری عمر "رادھاکرشن - رادھاکرشن" رٹا کرتا ہے مگر جب بلی گردن دبوچتی ہے تو سوائے ٹیں ٹیں کچھ یاد نہیں آتا۔

انسان بُرا وقت آنے پر اور بپتا پڑنے پر مایوس ہو جاتا ہے مصیبت میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اِس لیئے آزمایش سے گھبرا کر یا مصیبت سے ڈر کر ہم نیکی کی راہ نہ چھوڑ دیں۔ چاہیئے کہ ہم خود کو مصیبتوں اور تکلیفوں کا عادی بنائیں تاکہ چند روزہ اور عارضی دقتوں سے جھجک کر ہم منزلِ مقصود سے بھٹک جائیں اور کام ادھورا ہی رہے۔

ایک راجہ لڑائی پر جا رہا تھا کہ رستہ میں ایک فقیر نظر آیا جو ایک کاغذ کے پُرزے کے لاکھ روپیہ مانگ رہا تھا اور لوگ اُسے دیوانہ سمجھ کے متوجہ نہ ہوتے تھے مگر راجہ نے کسی خیال سے کاغذ خرید کر جیب میں ڈال لیا۔

وقت کی بات تقدیر کا لکھا۔ لڑائی کا میدان دشمن کے ہاتھ رہا اور فاتح نے راجہ کو قید کر کے جیلخانہ میں ڈالدیا۔ راجہ روز اپنی پچھلی حالت کو یاد کر کے روتا اور افسوس کیا کرتا کہ ایک دن جیب میں ہاتھ جا پڑا۔ دیکھے تو فقیر سے خریدا ہوا کاغذ! خیال ہوا لاؤ ذرا دیکھو تو سہی آیا اس میں لاکھ روپیہ کی کچھ بات بھی ہے یا یونہی ہے۔ کاغذ کھولا اور پڑھا لکھا تھا۔

"جب وہ نہ رہی - یہ بھی نہ رہیگی"

راجہ نے سوچا سچ تو ہے جب وہ (شاہی) نہ رہی یہ (قید) بھی نہ رہیگی۔ راجہ کو اِس خیال سے صبر سا ہوگیا۔ ڈھارس سی بندھ گئی اور کیا تو پہلے ہر وقت رونی صورت بنائے رہتا تھا آپ ہر وقت خوش اور بشاش رہنے لگا۔

گدی نشین راجہ نے جب اِس تبدیلی کا حال سُنا تو دربار میں بُلوا کر سبب دریافت کیا۔ قیدی نے شروع سے آخر تک سب حال سُنا دیا۔ ساری بات بتا دی اور کاغذ نکالکر راجہ کے سامنے پیش کر دیا راجہ نے جو کاغذ پر نگاہ ڈالی تو وہی مضمون

"جب وہ نہ رہی۔ یہ بھی نہ رہے گی"

اِن لفظوں میں کچھ ایسی "موہنی" تھی کہ پڑھتے ہی جادو سا ہوگیا۔ راجہ نے بچار کیا بیشک جب وہ (قیدی کی شاہی) نہ رہی۔ یہ (میری راجائی) بھی نہ رہے گی۔ قیام نہ "سکھ" کا ہے نہ "دُکھ کا" نہ امیری کا نہ فقیری کا۔ نہ حیات کو ثبات ہے۔ نہ ثبات کو حیات۔ وقت ہر ایک چیز کا ہے۔ ابتدا کی انتہا اور انتہا کی انتہا لابد و ضروری ہے۔ کال کا بھی وقت ہے اور موت بھی موت سے نہ بچیگی۔ سنسار کے سب دھندے۔ عارضی تعلقات اور خوردی۔ بزرگی سپنے کی سی مایا ہے ست سوائے "پرماتما" کے کچھ بھی نہیں "سدا نام سائیں کا ہے"

چند روزہ خوشی پر نازاں ہونا۔ جھوٹی حکومت کے نشہ میں کسی پر ظلم و زیادتی کرنا۔ یا دُکھ اور مصیبت میں گھبرانا۔ خوشی کا انجام نہ سوچنا۔ دُکھ کے انت کا خیال نہ ہونا۔ فنا کی فنا کو بھول جانا بے وقوفی ہے۔

پس انسان کو لازم ہے کہ نہ تعریف کو تعریف سمجھے نہ بدگوئی کو بدگوئی۔ نہ عزت کو عزت مانے نہ ذلت کو ذلت۔ نہ بزرگی کو اعلیٰ سمجھے نہ خوردی کو ادنیٰ نہ امیری کو نعمت سمجھے نہ کنگالی کو عذاب۔ نہ دوست سے محبت کرے نہ دشمن سے

اچھے سے رغبت کرے نہ بُرے سے نفرت۔ نہ آئے کی خوشی مانے نہ گئے کا غم۔ نہ خوشی کو سکھ سمجھے نہ مصیبت کو دُکھ کیونکہ دونوں فانی ہیں۔

مجھے بھی چاہیئے اِس چندروزہ راجائی پر غرور نہ کروں اِسکے بھروسہ پر کسی کا صبر نہ لوں بلکہ سنتوش کے تخت پر بیٹھکر سکھ پورک اطمینان سے راج کروں تاکہ بر لوک شدھ رہے۔ عاقبت بخیر ہو۔

یہ خیال آتے ہی اُس نے قیدی کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا اور تاج اُسکے سر پر رکھکر جنگل کی راہ لی۔

پس کمال پر نازاں نہ ہونے۔ اور بھوک۔ پیاس۔ سردی۔ گرمی۔ مان۔ اپمان کی برداشت کو تتکشا کہتے ہیں۔ اور یہ صفت انسان میں ہونی ضروری ہے۔ کیونکہ نقصان پر صبر نہ کرنا یا اُس کے بھروسہ پر پھولنا انسان کو حریص اور اندھا بنا دیتا ہے پھر اس سے کوشش نہیں ہو سکتی اور مصیبت سے گھبرا کر کام چھوڑ دینے سے سب کیا کرایا خاک میں ملا دیتا ہے ٭

اِس لیئے جب غرور یا ناز سے دل تاریک ہونے لگے مصیبت اپنی مہیب اور ڈراؤنی صورت دکھائے تو چاہیئے کہ آپ کو خدا کے حوالے کرے اور سمجھے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

جب خدا میرے ساتھ ہے دنیا کی کوئی طاقت مجھے برباد نہیں کر سکتی اور نہ کسی سے میرا بال بانکا ہو سکتا ہے۔

جس طرح بندر کا بچہ تو چلتے وقت ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ اور بلی کا بچہ صرف محبت اور عاجزی سے میاؤں میاؤں کرتا ہے۔ ماں اُسے خود منہ میں پکڑ کر لیئے پھرتی ہے لیکن اپنی گرفت پر نازاں۔ بندر کے بچے کے ہاتھ چھوٹ جائیں تو فوراً گر پڑتا ہے بخلاف اِسکے بلی کے بچے کو یہ اندیشہ نہیں کیونکہ اس نے آپ کو ماں کے

حوالے کر دیا ہے۔ اسیطرح جنھوں نے اپنا ہر ایک کام۔ ہر ایک خیال۔ سیاہ و سفید غرضکہ ہر طرح اپنے کو خدا کو سونپ دیا ہے۔ اچھے بُرے کا مالک ایشور کو سمجھتے ہیں تو اُنکے دل میں نہ کبھی غرور پیدا ہوگا اور نہ وہ مصیبتوں سے گھبرائیں گے بلکہ با آرام منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

لیکن جس طرح دو شخص ساتھ جنگل میں جا رہے تھے کہ سامنے سے شیر نظر آیا۔ شیر کو دیکھکر ہمت سنگھ نے کہا چلو درخت پر چڑھ جائیں۔ "رام آشر" نے جواب دیا میاں اڈرنے کی کیا بات ہے۔ ایشور رکھشا کرے گا۔ "ہمت سنگھ" نے کہا بھائی جب ہم اپنی کوشش سے بچ سکتے ہیں تو ایشور کو کیوں تکلیف دیں۔ پس خدا کے بھروسہ پر اتنا بھروسہ نہ ہو کہ کاہلی سے کچھ نہ کرو اور خدا تمھارے لیئے سب سامان مہیا کرے۔ دھڑی کے پان چاہئیں "لگا تام جھام" کوڑی کا چونہ چاہیئے "لگا تام جھام" بلکہ جب تک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں انسان کوشش سے غافل نہ رہے کیونکہ خدا اُن ہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں ۔

حفاظت جسم — اور نہ تنکشا سے یہ مُراد ہے کہ کھانے پینے کا بالکل خیال چھوڑ دیں موسمی تبدیلی کا بندوبست نہ کریں۔

جس طرح چاول کا چھلکا بالکل بیکار ہوتا ہے اور وہ نہ ہی کام میں آتا ہے۔ لیکن اگر چھلکا اُترے دانہ کو بویا جائے تو نہ تو وہ اُگے گا نہ درخت پیدا ہوگا اور نہ پھل آئیگا۔ عمدہ فصل کاٹنے کے لیئے چاول کو مع چھلکے ہی بونا چاہیئے۔ اسی طرح کمال حاصل کرنے اور فائدہ اُٹھانے کے لیئے حفاظتِ جسم ضروری ہے۔

جس طرح سیپ جس میں موتی ہوتا ہے بالکل بے کار چیز ہے۔ مگر موتی کی پیدائیش کے لیئے اس کا ہونا ضروری ہے۔ موتی بن جانیکے بعد اسے پھینک دیتے ہیں پہلے نہیں۔ اسیطرح لؤلؤ شاہوار یا گوہر مقصود حاصل ہونے سے پہلے حفاظت

جسم ضروری ہے۔

مہاتما بدھ کی بھی یہی تعلیم ہے چنانچہ بنارس کے اپدیش میں فرماتے ہیں۔

"جسمانی تکلیف اٹھانے سے جسم لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے۔ دل میں انتشار اور گندے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ مریل ٹٹو منزل پر نہیں پہنچ سکتا اس لیے دماغ کو قوی رکھنے اور جسم سے آخری وقت تک خدمت لینے کے لیے اگر اسکی جائز حفاظت کرے۔ ضرورت کے مطابق کھائے پیے تو کچھ گناہ نہیں"۔

اور نہ تنکشا سے یہ مراد ہے کہ لوگ ہمیں مجبور سمجھ کے چیل جھپٹے کے کھیل کی طرح چانٹے اڑائیں۔ ہمیں جانور سمجھ کے بنشر جمائیں۔ اینٹ پتھروں کی طرح ٹھوکریں ماریں۔ ہمارے راستے میں کانٹے بچھائیں۔ ہماری عبادت میں دخل دیں ایک بزرگ اپنا حجرہ بند کیے شغل میں مشغول تھے کہ کوئی دنیا دار دروازہ کھولکر زبردستی اندر جانے لگا۔ مگر مرید نے دروازہ تک جانے نہ دیا۔ جب فقیر صاحب باہر تشریف لائے تو دنیا دار نے طنزاً کہا۔ (ع) "در درویش را درباں نباشد"

روشن ضمیر فقیر نے اس پر جواب دیا۔ (ع) "بباید تا سگ دنیا نیاید"

اگر جڑ پکڑنے اور اچھی طرح پھیلنے سے پہلے پودے کی کانٹوں دار باڑے سے حفاظت نکریں تو شریر جانور اسے جڑ سے اکھاڑ ڈالیں۔

اسیطرح تاکہ جابر۔ ظالم۔ ناخدا ترس۔ کج فہم۔ ہماری برداشت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہمارے ارادوں میں مخل نہ ہوں۔ ہماری ترقی میں روڑے نہ اٹکائیں۔ ہم سے وحشیانہ سلوک نکریں۔ ہمارا دنیا میں رہنا دوبھر نہ ہو جائے ہماری ننگ و ناموس میں فرق نہ آئے۔ پیٹ بھرنے کو روٹی ملتی رہے۔ تن ڈھکنے اور ننگا چھپا چھپانے کو کپڑے کا گھاٹا نہ رہے ہمیں چاہیئے کہ ایسے نالائقوں کی

سرکوبی کے لیئے ہر وقت تیار رہیں تاکہ اُنھیں حوصلہ نہ ہو۔ کیونکہ رحیم و کریم خدا اگر جبار بنکر اپنے قہر کو کام میں نہ لاتے۔ پالنا کرنے والا وشنو شو روپ سے ناش نکرے۔ ہاتھ میں تلوار لیکر کالی روپ سے دُشٹوں کا خون نہ پیئے۔ غصہ سے ڈراونی اور خوفناک شکتی کو پھر گھٹ نکرے تو انسان کو انجام کا خیال نہ ہو۔ بدعتی طوفان مچا دیں۔ دنیا میں امن و امان قائم نرہے اور نہ کسی کے حقوق کی حفاظت ہو۔

سوسائٹی کا خیال ضروری ہے

لیکن اس میں ذاتی کدورت والی تعصب کا دخل نہ ہو جس طرح مکھی نہ تو پھول کی صورت بگاڑتی ہے نہ اُس کا رنگ خراب کرتی ہے بلکہ دانائی سے شہد لے لیتی ہے۔ اسیطرح بغیر کسی کا دل دُکھائے۔ ہوشیاری سے اپنا کام کرو۔

جس طرح نیک چلن اور خاندانی بیوی اپنے ساس سُسر۔ رشتہ داروں اور گلی محلے والوں کی بھی خاطر کرتی ہے اور اپنے خاوند سے بھی محبت رکھتی ہے اسیطرح دوسرے بزرگوں کی بھی عزت کرو اور اپنے اشٹ دیو پیا پیارے کی محبت میں بھی لگے رہو۔ کیونکہ جس طرح تم اپنے اعتقاد پر قائم ہو اپنے بزرگوں کی عزت کرتے ہو۔ بُرا بھلا کہنے سے بُرا مانتے ہو۔ دوسرے بھی اِن باتوں کو پسند نہیں کرتے اور اُنکا بھی حق ہے کہ اپنے بزرگوں کی عزت کریں * "پس آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگران مپسند" "مرنج و مرنجاں"

اگر تم چاہتے ہو کہ کوئی تمھارے کام میں دخل نہ دے۔ تم بھی دوسروں کو نہ ستاؤ *

سب ہم روپ ہیں یعنے "ہمہ اوست"

ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص جنگل میں ضرورت رفع کر رہا تھا اور ساتھ ہی رام رام بھی کہتا جاتا تھا۔ "ہنومان جی" کا جو اُدھر سے گذر ہوا تو اُنکو اُسکی اس ناشائستگی پر غصہ آیا اور ایک لات ماری۔ جنگل سے

ہنومان" جب "رامچندر جی" کے پاس آئے تو مہاراج نے فرمایا۔ ہنومان! ذرا
میری کمر دبا دینا۔ ہنومان نے کہا مہاراج خیر باشد آج کمر میں درد کیوں ہے؟
رامچندر جی" نے فرمایا آج صبح تم نے اِس زور سے لات ماری کہ اب تک سخت درد
ہو رہا ہے" ہنومان جی" نے تعجب سے دریافت کیا" مہاراج! کیا فرمایا؟" میں نے
آپکے لات ماری۔" رامچندر جی" نے جواب دیا" ہاں"۔ اور ہنومان جی سے صبح کے
لات مارنے کا واقعہ سُنا کر فرمایا" ہنومان! تم کیسے بھگت ہو؟ جو ایشور کو سرو دیاپی
ہر جگہ حاضر و ناظر اور سب کی روحِ رواں نہیں سمجھتے ہو۔ اس اگیان کو دور کرو اور
سمجھو! کہ کافر۔ مومن۔ برہمن۔ چنڈال۔ عورت۔ مرد۔ حاکم۔ محکوم۔ ہاتھی سے
لیکر ننھی سی چیونٹی۔ خوشرنگ پھول سے لیکر ناچیز تنکے اور چھد جانے والے نوکدار
کانٹے میں بھی وہی "رام" رم رہا ہے جو تمھارے گھٹ میں دیاپک (موجود) ہے
کسیکو ستانا اندر والے کو دکھ دینا ہے ٭

اپنے یا اُسکے لیئے کیسی آتما دکھانی۔ لڑائی۔ جھگڑے یا خون سے خدا کی
خوشنودی حاصل کرنیکا خیال جھوٹا اور غلط خیال ہے۔

ایک دن دیا سروپ۔ مجسّم نیکی "بدھ" جب اُروبلو جنگل سے آگے بڑھے تو رستہ
میں ایک گڈریا ملا۔ اور جب اُنکی نگاہ ایک چھوٹے سے بھیڑ کے بچے پر پڑی جس کے
پاؤں میں چوٹ تھی۔ گڈریا اسے بار بار مارتا تھا مگر وہ زخم کی تکلیف سے ریوڑ کے
ساتھ نہ چل سکتا تھا اور پیچھے رہ رہ جاتا تھا۔ ممتا کی ماری ماں مُڑ مُڑ کر دیکھتی تھی مگر
مار کے ڈر سے میں میں کرکے چپ ہو رہتی تھی۔ شاکیہ منی کا نرم دل۔ دیا اور پریم
سے پگھل گیا۔ بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بڑے پیار اور محبت سے بچے پر ہاتھ
پھیرا اور ماں کی طرح گود میں لیکر بچے کو "مقتل" کی طرف لے چلے۔ کیونکہ یہ جانیں دیوی
کا چڑھاوا تھیں۔ جسوقت بُدھ بچے کو لئے مندر میں پہنچے تو بیدی پر ایک بکرا بندھا

ہوا تھا۔ قاتل ہاتھ میں چھری لیئے دیوی سے اِلتجا کر رہا تھا۔ مہا مایا! اِس بکرے
کو کھا کر خوش ہو اور اسکے خون سے میرے پاپوں کو دھو!

کہ اتنے میں مہد مردانہ وار آگے بڑھے اور ایک عجیب رقت آمیز درد بھرے
لفظوں میں فرمایا۔

"جب تم کسی میں جان نہیں ڈال سکتے۔ تو کیسی کی جان نہ لو! جیسے تم دیوتاؤں
سے التجا کرتے ہو جانور بھی تم سے رحم کے طالب ہیں۔ جب کہ تمھاری خوراک کے
لیئے بیشمار پھل پھول۔ خشک وتر میوے۔ ترکاری اناج اور ساگ پات سے
دنیا بھری پڑی ہے۔ اپنے بچّوں کا حق۔ میٹھا میٹھا طاقتور دودھ دینے والوں
اور اپنے جسم کے محافظ اُون سے خدمت کرنے والوں کو ذبح نکرو۔ اگر یہ زندہ رہینگے
تو تھوڑا سا بھوسہ کھا کر تمھارے کھیتوں میں کام کرینگے۔ کنواں چلا کر زمین کو سیراب
کرینگے۔ تنکوں پر گزارا کر کے پہاڑ کی چوٹیوں پر تمھیں رسد پہنچائیں گے۔ کیا اِن
خدمت گزاریوں کا یہی بدلہ ہے کہ تم اِنھیں قتل کر ڈالو۔ غافلو! پاپ ایسا میل
نہیں جو خون سے دُھل جائے۔ اِس دَھبّے کے چھڑانے کے لیئے نیکی اور رحم
کی ضرورت ہو۔

آہ! یہ دنیا کیسی خوبصورت اور پر اَمن جگہ بن جائے اگر تمام جاندار محبت
اور پیار سے رہیں۔ کسیکو کسی کے ستانے کا خیال نہ ہو پس کسیکو ستا کے یا لڑ جھگڑ
کے گنہگار مت بنو۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ کوئی غلطی پر ہے۔ مصیبت کے مارے جاہل
کو ٹھیک راستہ نہیں ملتا۔ تو بجائے اِسکے کہ تم جاہل سے لڑ جھگڑ کے اور اُسکی
مصیبت کو بڑھا دو۔ اُسکی ہنسی کر کے گنہ گار بن جاؤ چاہیئے کہ خدا سے ڈرو!
اور غریب کی حالت پر رحم کرو۔ اُسے محبت سے دلاسا دیکر نرمی سے سمجھا کر سچے
راستہ پر لگا دو۔ اگر معاملہ تمھاری عقل کی رسائی سے باہر ہو تو اپنے دیا پر ماتما

رحیم خدا سے التجا کرو کہ بیچارے پر کرپا کرے ؏

جس طرح پھل جب پک جاتا ہے تو آپ ہی ٹوٹ پڑتا ہے۔ زخم جب خشک ہو جاتا ہے تو کھرنڈ خود بخود اُتر جاتا ہے۔ اِسیطرح جب گنہ گار کی شنائی ہو گی اُسے عقل آئیگی تو جہالت فوراً دور ہو جائیگی۔

کسی خاکروب کو ایک کانچ کا نگینہ پڑا پا گیا۔ خاکروب نے اِسے ہیرا سمجھ کر جانچ کرائی۔ جسکو دکھایا اُسنے کانچ بتایا۔ بعض نے بیوقوف بنایا۔ بعض نے جھڑکیاں دیں۔ بعض نے دیکھتے ہی پھینک دیا۔ مگر خاکروب کو یقین نہ آیا وہ یہی سمجھتا رہا کہ یہ ہیرا ہے۔ اور جوہری چاہتے ہیں کہ میں اِسے کانچ سمجھ کر پھینک دوں تو یہ اُٹھا لیں آخر ایک بڈھے جوہری کو اُسکی غلطی پر رحم آیا۔ بڈھے نے ظاہرا بڑی دیر تک شیشہ کو دیکھ بھال کر کہا۔ یہ ایک بڑا نایاب ہیرا ہے۔ کل کے لونڈے پہچان سکے۔ لیکن اِس انمول نگینے کو ہما شما کے خریدنے کی پونجی نہیں ابھی حفاظت سے رکھو کوئی راجہ نواب آگیا تو بکوا دونگا۔ لیکن روز آیا کرو تا کہ بازار کا حال معلوم رہے۔ خاکروب روز آتا۔ گھنٹوں جوہری کے پاس بیٹھا رہتا اور جواہرات دیکھا کرتا صحبت کے اثر اور جوہری کی مہربانی سے جب جھوٹے سچے کی تمیز ہو گئی تو جوہری نے ایک دن کہا پہلوان[1] ایک گاہک آیا ہوا ہے۔ کل اپنی پوٹلی[2] لیتے آ۔ خاکروب نے گھر جا کر ڈبہ کھولا اور رنگ دیکھنے لگا۔ مگر اب چونکہ جانچ ہو گئی تھی۔ دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ کانچ کا ٹکڑا ہے۔ فوراً موری پر پھینکدیا اور بازار نہ گیا ؏

اسیطرح جب ناواقف کو سمجھ آئیگی اور معلوم ہو گا کہ
اپنے اپنے مذہب کی سب ہی مناویں ٹھیک

[1] دلی میں خاکروب کو پہلوان کہکر پکارتے ہیں۔ [2] جوہری جواہرات کی ڈبیا یا صندوقچی کو پوٹلی کہتے ہیں۔

رجبؔ نشانہ ایک ہے تیر انداز نیک

جس طرح ایک ہی پانی کو کوئی جل - کوئی آب - کوئی واٹر - کوئی ایکوا کہتا ہے - ایک ہی خدا ہے جو جدا جدا ناموں سے پکارا جاتا ہے - جس طرح ایک ہی سونے سے مختلف زیور بناتے ہیں - ایک ہی مٹی سے چھوٹے بڑے برتن بنتے ہیں - ایک ہی چینی سے طرح طرح کی مٹھائیاں بکتی ہیں ایک ہی خدا مختلف رنگ میں جلوہ نما ہے -

جس طرح ایک ہی ترکاری کئی طرح بناتے ہیں - ایک ہی اناج جدا جدا طریقے سے پکانے پر مختلف ذائقہ دیتا ہے - ایک ہی خدا کی پرستش کے جدا جدا طریقے ہیں

غرضیکہ جب جاہل کی آنکھ کھلے گی تو اُسے اپنی غلطی معلوم ہو جائیگی - ذات پات - مذہب وست اور فرقہ کی تنگ خیالی جاتی رہے گی اور وہ فرق کو حیرت کی نگاہ سے دیکھے گا -

در حیرتم کہ دشمنیٔ کفر و دیں چراست　　　　از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن ست

دو یک دانمیر | لیکن رحم کے وقت رحم برتے - غصہ کیوقت غصہ کو کام میں لائے فانی کو فانی سمجھے - بقا کو بقا جانے اور غلطی سے صحیح کو غلط - غلط کو صحیح سمجھکر بُرائی پر نہ ہولے انسان کو چاہیئے کہ صحیح او غلط میں تمیز کرنی سیکھے - جس طرح چھاج کوڑا پھٹک کر اناج رکھ لیتا ہے - ہنس پانی سے دودھ علیحدہ کرکے پی جاتا ہے چیونٹی مٹی سے مٹھاس مٹھاس چُن لیتی ہے - اسیطرح انسان کو چاہیئے کہ کھوٹے کھرے - جھوٹے سچے کی تمیز پیدا کرے - تاکہ جھوٹے اقرار کرکے - جھوٹی تعریف سنا کے ہمارے خیر خواہ بنتے ہیں - ظاہرا ہمدردی دکھا کے ہمارا مال و متاع ہتھیا لیتے ہیں - ہمارا خون چوس چوس کر موٹے تازے ہوتے ہیں - ہمارے منہ سے نکالکر کتوں کو کھلاتے ہیں - ہماری پونجی چھین کر اپنوں کا گھر بھرتے ہیں -

* رجب گرونانک کے پیروؤں میں ایک کامل بزرگ گزرا ہے *

اپنی بزرگی اور فضیلت کی ڈینگ مار کر بہشت کا سبز باغ دکھا کر نجات کا اقرار کر کے
خدا کے نام سے لوٹتے ہیں۔ ہاتھ سمرنی پیٹ کترنی۔ بگلا بھگت بنے ہماری گھات میں
بیٹھے ہیں۔ ہم انکے پھندوں سے بچ جائیں دوست کو دوست سمجھیں اور دشمن کو دشمن
غلطی سے بچکر راستی کے راستہ پر ہو لیں +

گیان (علم) کیونکہ گیان کی تعریف یہی ہے جو صحیح کو صحیح ۔جھوٹ کو جھوٹ۔ سفید کو
سفید۔ سیاہ کو سیاہ۔ اندھیرے میں رسّی کو رسّی نہ کہ سانپ۔ اور سانپ کو سانپ نہ کہ
رسّی۔ غرضیکہ جو چیز جیسی ہو ویسی ہی نظر آوے۔ جوں جوں یہ گیان بڑھتا جائیگا قدرت
کے حقیقی راز ہم پر کھلتے جائیں گے۔ نہ ہم عارضی خوشیوں کے پیچھے مارے مارے پھرینگے
نہ چھپنے کا شیر۔ اندھیرے میں درخت کا ٹھنٹھ ہمارے ڈرانے کا باعث ہوگا۔ بلکہ مایا کا چھپنا
اور مایا کی مایا۔ دھوکے کا دھوکا دُور ہو کر آنکھ کھل جائیگی اور ہم تمیز کی روشنی میں گیان کے
نیتر سے ہر ایک چیز کو اسکی اصلی حالت میں دیکھیں گے جھوٹا بھرم اور جادُ کھ نہ دیگا خوشی
کا وہم بے عزتی نہ کرائے گا۔ بلکہ شانتی اور اطمینان سے حقیقت کا آنند لیتے
رہینگے حضوری کے تماشے میں محو رہیں گے +

پس تمیز پیدا کرو کیونکہ "گیان" ہی تسلی کا باعث اور خوشی کا سبب ہے۔ علم ہی
ایک ایسی غذا ہے جس کے آگے سب تیل کا پکوان ہے۔ علم ہی ایک ایسا رس ہے
جسکے سامنے سب لذتیں پھیکی اور بے رس ہیں +

جس طرح جبتک ایک شخص بازار سے دُور ہے اُسے "ہا ہا۔ ہُو ہُو" کا شور
سُنائی دیتا ہے لیکن جب بازار میں داخل ہو جاتا ہے تو کچھ سُنائی نہیں دیتا۔ اسیطرح
جب تک انسان خدا سے دُور ہے۔ دلیل و مباحثہ کے شور کے سوا اُسے کچھ سُنائی
نہیں دیتا لیکن جب وہاں پہنچ جاتا ہے ثبوت اور بحث ختم ہو جاتی ہے اور وہ قدرت
کے بازار میں آزادانہ پھرتا ہے +

میدان میں گھاس چھوٹی اور درخت بڑے معلوم ہوتے ہیں مگر پہاڑ پر

چڑھ کر دیکھنے سے بڑے بڑے جیسے درخت اور ننھی ننھی گھاس ایک ہریالی سی نظر آتی ہے۔ اسیطرح دنیا کی نگاہ میں مرتبے اور پوزیشن کا فرق ہے لیکن جب پیرعقل کی کھلتی ہیں تو اونچ نیچ کا خیال نہیں رہتا۔

جس طرح پانی خالی گھڑے میں پڑتا ہے تو بھبھپ بھبھپ کی سی آواز آتی ہے لیکن گھڑا بھر جاتا ہے تو آواز بند ہوجاتی ہے اسیطرح جبتک انسانی دل تمیز سے خالی ہے اس میں فضول جھگڑے پیدا ہوتے ہیں لیکن جہاں تمیز پیدا ہوئی دل شراب محبت سے پُر ہوکر ساکن ہوجاتا ہے +

پکی پوری جب گرم گرم تیز گھی میں چھوڑتے ہیں تو کچھ دیر سن سن کرتی ہے اور جوں جوں پکتی جاتی ہے شور کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل پکجانے پر آواز موقوف ہوجاتی ہے۔

اسیطرح تھوڑے علم والے لکچر اور اپدیش دیتے پھرتے ہیں۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر لمبی چوڑی تقریر کرتے ہیں۔ لیکن جب علم کمال پر پہنچ جاتا ہے تو شور و اور بیہودہ بکواس چھوٹ جاتی ہے +

جس طرح پنجرے میں بند پرند تڑپتا۔ پھڑپھڑاتا اور غل مچاتا ہے لیکن آزاد جھومتی ہوئی ڈالیوں اور لہلہاتی ہوئی ٹہنیوں پہ بیٹھا ہوا خاموش آزادی کی ہوا کھاتا ہے۔ اسیطرح انسان کو جب علم سی آزادی نصیب ہوگی تو ساری بے چینی دور ہوجائیگی +

جس طرح بچے۔ بے فکر اکیلے بیٹھے کھلونوں سے کھیلتے رہتے ہیں لیکن ماں کی شکل دیکھتے ہی سب پھینک پھانک کر اسکی طرف دوڑتے ہیں اسیطرح تم بھی بے فکر دولت وحشمت عزت وشہرت اور "زر" "زمین" "زن" کے بیہودہ خیال میں محو ہوکر تضییع اوقات کر رہے ہو۔ اگر تمھیں خدا نظر آجائے۔ ترقی کی مادر مہربان

دکھائی دیتا ہے تو تم بھی اس طرف متوجہ ہوجاؤ اور اسکی آرام وچین دینے والی گود میں جانے کی کوشش کرو! +

جس طرح جب تک مکھی پھول کے باہر ہے۔ اِدھر اُدھر اُڑتی اور بھنبھناتی ہے لیکن جب پھول پر بیٹھ جاتی ہے تو مزے سے چپ چاپ رس لیا کرتی ہے۔ اسیطرح جو اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے اور اصول ومسئلہ پر جھگڑتا ہے۔ جہاں اسے علم کی لذت معلوم ہوئی وہ فضول درد سری سے بچا +

جس طرح پروانہ روشنی دیکھتے ہی اندھیرے میں جانیکا نام نہیں لیتا اور نورانی شمع کے قدموں پر گر کر جان دیتا ہے اسیطرح جب کوئی علم تک پہنچ جاتا ہے وہ مرتے دم تک اُسکے قدموں سے علیحدہ نہیں ہوتا +

جس طرح روشنی ہوتے ہی صدیوں کا اندھیرا جاتا رہتا ہے گیان کا پرکاش علم کا ظہور ہوتے ہی جہالت کا دکھ فوراً کافور ہوجاتا ہے +

خدا بے شمار رنگ ہے | دو شخصوں میں گرگٹ کے رنگ کی بابت سخت جھگڑا ہورہا تھا۔ ایک کہتا تھا میں ناک تاک کہتا ہوں اگر گرگٹ کا رنگ سرخ نہ ہو۔ دوسرا کہتا تھا تم اندھے ہو۔ گرگٹ کا رنگ نیلا ہے۔ جب آپس میں فیصلہ نہ ہوا تو وہ فیصلے کے لیئے ایک درویش کے پاس گئے جو اُسی درخت کے نیچے رہتا تھا جسپر گرگٹ بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے نے کہا۔ کیوں جناب! گرگٹ کا رنگ تو سُرخ ہے نا؟ درویش نے جواب دیا "جی ہاں" دوسرا بولا واہ جناب! یہ کیونکر ہوسکتا ہے ملاحظہ تو کیجئے گرگٹ تو نیلے رنگ کا ہے۔ درویش نے جواب دیا "جی ہاں" کیونکہ درویش جانتا تھا کہ گرگٹ ایک ایسا جانور ہے جو دم بدم رنگ بدلتا رہتا ہے۔ خدا کی صفات بھی بوقلموں ہیں۔ اسکی کوئی خاص صورت نہیں ہے تاہم ان شکلوں میں اُسی کا ظہور ہے۔ + ۵

ہر رنگ میں ترا رنگ ہر گل میں تو ہے تیری
ہر شاخ میں شگوفہ ہر برگ میں خدائی

تو راحت رواں ہے تو جانِ ناتواں ہے
پوشیدہ ہے۔ عیاں ہے اور پھر بھی ہے جدائی (مصنف)

یہ تمام ظہور اسی کی قدرت کا ہے مگر بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اسکی قدرت کا بھید ہشیار ہی کی سمجھ میں آتا ہے۔ اور خدا اُس سے باتیں کرتا ہے ہر وقت قریب نظر آتا ہے۔ لیکن جن کو تمیز نہیں اُنکو کائنات کی کسی صورت بھی خدا کا ظہور نظر نہیں آتا۔ نہ وہاں آنکھ تاک جھانک کرسکتی ہے جو کسی طرح کا نام تجویز کرے۔ نہ کان کی شنوائی ہے جو پورب پچھم۔ اُتر۔ دکھن۔ اوپر نیچے۔ دائیں بائیں۔ یہاں وہاں کوئی جگہ قائم کرے۔ ذائقہ کا مُنہ بگڑ رہا ہے۔ کڑوے کسیلے۔ کھٹے میٹھے۔ کا گیان کیونکر ہو؟ زبان گونگی ہے وہاں کا حال کون بتائے؟ ناک کو بُو نہیں ملتی جو بُو کی تمیز ہو۔ لمس کے قریب جاتے ہوئے پر جلتے ہیں جو گرم۔ ٹھنڈے۔ موٹے پتلے۔ بھیگنے کا پتہ چلے۔ عقل پر ایسا پردا پڑا ہے کہ گم ہے۔ لیکن اگر آنکھ کسی چیز کو دیکھ کے اِس لیئے بتا نہ سکے کہ اُس میں قوتِ گفتار نہیں۔ خوشی۔ رنج۔ دوستی اور دشمنی کی کوئی شکل قائم نہ ہو ذائقہ کو مجسّم نہ دیکھ سکیں۔ معاملہ حواسوں کے بس کا نہ ہو یا ہمارے حواس ہی اِس قابل نہ ہوں تو کیا اِنکے وجود کا اِنکار ہو سکتا ہے۔ اگر خدا ہماری جہالت سے نظر نہ آوے۔ ایشور کا گیان سے درشن نہ ہو۔ تم سستی اور بزدلی سے ترقی نہ کرسکو۔ تو اُسکے وجود سے اِنکار نہ کرو! بلکہ مقرر ہو کر اُس تک پہنچنے کا فکر کرو۔ اندھے کو چاہیئے آنکھوں والے پر اعتبار کرے۔ جاہل۔ لائق پر ایمان لائے مسافر۔ رہبر پر بھروسہ کرے۔ مریض معالج پر اعتماد کرے۔ مدہوش صوفی کا ہاتھ پکڑ لے

وقت جب آئیگا تمہیں سب معلوم ہو جائیگا۔ وقت سے پہلے کوئی آیندہ کو موجود نہیں کر سکتا۔ پس آیندہ کی بزرگی پر یقین رکھو اور اسکی خوبی پر ایمان لاکر آگے بڑھو کیونکہ جب تک تم کو یہ یقین نہ ہوگا کہ "آیندہ" بڑی خوبصورت اور خوش آیند ہے۔ کوشش ضرور کامیاب ہوگی۔ زبوں حالت سے نکل کر آزاد ہوجانا ممکن ہے۔ اس وقت تک نہ تم ترقی کر سکتے ہو۔ نہ ترقی کا شوق پیدا ہوگا۔ اور نہ آزادی نصیب ہوگی۔ کیونکہ کوشش اسی کے لئے کیجاتی ہے جسکے پانے کی اُمید ہوتی ہے راستہ جب ہی چلا جاتا ہے جب منزل پر پہنچنے کا یقین ہو۔ پس ترقی کے لئے یقین ازبس ضروری ہے ؎

کریکٹر

جس طرح ظالم حاکم کی یہی کوشش رہتی ہے کہ محکوم ہمیشہ "کور یا غلام" بنے رہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ ترقی کے خواہشمندوں کو ہم ڈرا یا دھمکا کر باز نہیں رکھ سکتے تو انہیں بڑے بڑے لالچ دیتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی خدا کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو شیطان اُسے دنیا کے سبز باغ دکھا کر اس ارادے سے باز رکھتا ہے۔ مایا موہنی صورت میں ناز نخرے دکھا کر انسان کو لبھا لیتی ہے۔ ترچھی نظروں سے گھائل کرکے وہیں کام تمام کر دیتی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ پاک ہو جاہیں۔ فسق و فجور سے بچ جائیں مگر ہماری خواہش اور ارادوں کی جگہ بگڑی ہوئی عادتیں ہمیں کچھ نہیں کرنے دیتیں

ضبطِ خیال و ضبطِ حواس

ایک ایسے بیمار کے لیے جسے زور کا بخار اور شدت کی پیاس ہو۔ اور ٹھنڈے پانی کے آبخورے۔ شربت کے کٹورے سامنے رکھے ہوں کیا ممکن ہو کہ بے چین و خشک لب مریض پانی کا ایک گھونٹ نہ پی لے۔ شربت کا

کٹورا مُنہ سے نہ لگائے۔ خواہ اُس سے اُسکی حالت اور بھی نازک ہو جائے اِسیطرح
اِنسان جبکہ اُسے ایک طرف تو کوئی پری وش نازنین پہلو میں جگہ دینے کو طیار ہو
اور دوسری طرف دولت و مرتبہ کے سبز باغ دکھائی دیتے ہوں۔ خوشامد اور
تعریف کی سُریلی آوازیں کان میں پڑتی ہوں تو اُسکے گمراہ حواس اُسے باؤلا
کردیتے ہیں۔ اِس وقت اُسے آگا پیچھا دکھائی نہیں دیتا اور وہ راستی کے راستے
سے بھٹک کر مصیبت کے غار میں جا پڑتا ہے۔ اِس لیئے جہانتک ہو سکے دنیاوی
لذات سے بچے ✦

ایک پلے ہوئے نیولے کا گھر اُوپر دیوار میں بنا ہوا تھا رسّی کا ایک سرا
اُسکی گردن میں تھا اور دوسرا ایک وزن سے بندھا ہوا تھا "نیولا" وزن کو لیئے
لیئے پھرتا اور صحن میں کھیلتا رہتا تھا۔ لیکن جہاں کسی بات سے ڈرا فوراً دوڑکر اپنے
بل میں جا گھُستا مگر وہ وہاں دیر تک نہ ٹھیر سکتا۔ کیونکہ رسّی سے بندھا ہوا وزن اُسے
زبردستی نیچے گھسیٹ لاتا۔ اسیطرح جب اِنسان تکلیفوں سے ڈر کر اَمن کی جگہ جاتا
ہے تو اُسکے تعلقات اُسے پھر نیچے گھسیٹ لاتے ہیں ✦

چند مچھلی بیچنے والیاں بازار سے واپس آتی تھیں کہ راستہ میں آندھی
آگئی اور مینہ برسنے لگا۔ بیچاریوں نے مجبوراً ایک پھول والے کے گھر میں پناہ
لی۔ مالی نے دریادلی سے مچھلی والیوں کو اُس مکان میں ٹھیرایا جہاں بھینی
بھینی خوشبودار پھولوں کے ٹوکرے رکھے تھے لیکن اُنکی یہاں پلک تک نہ جھپکی
کیونکہ مکان کی ہوا اُنکے لیئے حد سے زیادہ معطر تھی۔ آخر ایک نے سوچ کر کہا بہنو!
ناک کے پاس اپنے اپنے مچھلیوں کے ٹوکرے رکھ لو تاکہ پھولوں کی تکلیف دہ
مہک ہمارے دماغ خراب نہ کرے اور نیند حرام نہ ہو۔ ہر ایک نے اسپر عمل کیا اور فوراً
خراٹے بھرنے لگیں۔ اسیطرح جنھوں نے اپنے کو بُری عادتوں کے حوالے کر دیا ہے

وہ ہر طرح اُسکے قبضہ میں ہیں ۞

بازار میں مکھیاں مٹھائی پر بیٹھی رہتی ہیں لیکن جہاں کوئی نجاست کا ٹوکرا لے کر گزرا فوراً اُسپر بھنبھنانے لگتی ہیں ۞

چیل آسمان کی بلندی پر اڑتی رہتی ہے۔ لیکن جہاں مُردار پر نظر پڑی فوراً جھپٹتی ہے۔ اسیطرح انسان کیسا ہی اعلیٰ ہو بُری عادتیں فوراً پستی پر لا ڈالتی ہیں ۞ لوہا جبتک بھٹی میں ہے سُرخ ہے۔ لیکن آگ سے نکلتے ہی کالا پڑ جاتا ہے کمانی دار گدّے پر جب کوئی بیٹھتا ہے تو پچک جاتا ہے۔ لیکن جہاں دباؤ دور ہوا پھر ویسے کا ویسا۔ اسیطرح جب تک انسان لائق کی صحبت میں رہتا ہے۔ اعلیٰ خیال رہتا ہے۔ فروتنی آجاتی ہے۔ لیکن جہاں اُس صحبت سے نکلا۔ دباؤ دور ہوا پھر ویسے کا ویسا اور وہی اِسکے شغل ۞

اِس لئے انسان کو چاہیئے کہ دل کو روکے۔ حواس کو ضبط کرے تاکہ بدعت نہ مچائیں۔ کیونکہ جب تک حواسوں پر قابو نہ ہوگا۔ کریکٹر نہ بنے گا۔ ترقی ہو نہیں سکتی ہاتھی کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ درختوں کو گراتا۔ جھاڑ یاں اکھاڑتا۔ جو سامنے آیا اُسے پچھاڑتا۔ ایک طوفان مچاتا پھرتا ہے۔ اسیطرح نفس کو جو دل نے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے اور من مانی مستیاں کرتا ہے چاہیئے کہ انسان ضبط کے انکش سے قابو کرے کیونکہ بقول مرزا غالب ۞ سے

رباعی

خواہش پوری کسیکے جی کی نہ ہوئی ‏ سلطان کی نہ ہوئی نبی کی نہ ہوئی

غالب کیا کیا نہ لوگ دنیا میں ہوئے ‏ پر یہ دنیا کبھی کسیکی نہ ہوئی

خواہشیں پوری کسیکی نہ ہوئیں اور نہ ہونگی جسطرح آگ پر جتنا گھی ڈالو اُتنا ہی زیادہ تیز اور روشن ہوتی ہے۔ اسیطرح خواہش کا فکر کرنا منشار کے موافق سامان

بہم پہنچانا خواہش کو بڑھانا اور ترقی دینا ہے۔ چنانچہ مشہور تارک بھرتری جی" فرماتے ہیں :-

भोगा न भुक्ता वयमेव भुक्ता
स्तपो न तप्तं वयमेव तप्ता:
कालो न यातो वयमेव याता
स्तृष्णा न जीर्णा वयमेव जीर्णा:

" یعنی تمناؤں نے ہمکو ختم کر دیا اور خود ختم نہ ہوئیں ہم نے تپ (جاہ و حشمت) نہ تپے کہ تپوں (دکھ) نے ہمکو تپا ڈالا۔ وقت کا وقت نہ آیا لیکن ہم نہ چل بسے خواہشوں کا ابھی آغاز ہی ہے لیکن ہمارا وقت قریب ہے" +

پس انسان کو چاہیئے کہ چندروزہ دُکھ دینے والی اور جھوٹی خواہشوں کے لالچ میں نہ آئے۔ خواہشوں کا غلام ہو کر آزادی سے ہاتھ نہ دھو لے + مایا کے تماشہ میں محو ہو کے منزل کھوئی نہ کرے +

ویراگ (ترک) خواہش کی شروع خیال ہے جس طرح ذرا سا بیج صورت پکڑتے پکڑتے درخت بن جاتا ہے۔ اسیطرح کسی چیز کا خیال ہی قائم ہوتے ہوتے خواہش ہو جاتا ہے اس لیئے چاہیئے کہ ہم خواہشوں کا خیال ہی ترک کر دیں چنانچہ مہاتما "ویاس" ویراگ" کی تعریف فرماتے ہیں

सर्वभोगेषु इच्छारहितमवैराग्यम्:

" یعنی کسی قسم کی خواہش کے پیدا نہ ہونے کو ویراگ کہتے ہیں" جوں جوں خیال دُور ہوتا جائیگا۔ خواہش کم ہوتی جائے گی۔ انسان کو آرام ملتا جائیگا +

کسی ایسے پھل کو جس کا دودھ ہاتھ پر لگ جاتا ہے اور کھجلی ہوتی ہے تراشنے سے پہلے ہاتھ میں چکنائی لگا لو تو دودھ کا اثر نہیں ہوتا۔ اسیطرح اگر دل کو ویراگ سے چکنا کر لو تو دنیاوی تکلفات اسپر اثر نہیں کرتے +

جس طرح ترازو کا بھاری پلڑا نیچے جاتا ہے اور ہلکا اُوپر کو اُٹھتا ہے اسیطرح جتنے جتنے فکر و تردد زیادہ ہونگے پستی کیطرف رُخ رہیگا۔ لیکن جوں جوں خواہشیں کم ہونگی۔ دِل میں یکسوئی اور اطمینان پیدا ہوگا۔

سوئی میں دھاگا پرونے کے لیئے دھاگے کے اُبھرے ہوئے پھوسڑے دُور کرنے چاہیئں تاکہ دھاگا آسانی سے ناکے سے گزر جائے۔ اسیطرح آزادی کی مملکت میں داخل ہونیکے لیئے چاہیئے کہ انسان خواہشوں کے رگ و ریشہ کو دُور کرے۔

ایک چیل کے پیچھے جسکی چونچ میں ذرا سا گوشت کا ٹکڑا تھا بہت سے چیل اور کوّے لگے ہوئے تھے اور گوشت چھین لینے کے لیئے اُسے نوچتے اور ٹھونگیں مارتے تھے۔ چیل نے آخر دق ہو کر گوشت کا ٹکڑا چھوڑ دیا۔ اَب اُسے ایک اَور نے جھپٹ لیا اور چیل کوّے پہلی کو چھوڑ دوسری کے پیچھے پڑ گئے۔ پہلی چیل آرام سے بیٹھی ہوئی اِس تماشے کو دیکھ رہی تھی اور مصیبت سے چھوٹنے پر لاکھ لاکھ شکر کر رہی تھی۔

اسیطرح انسان جبتک خواہشوں کو نہیں چھوڑتا اِسے آرام نہیں ملتا۔ اسلیئے خواہش کو ترک کر دینا اُنکی طرف سے ویراگ ہو جانا ہی بہتر ہے۔ ورنہ ترقی معلوم۔

لیکن جس طرح خواہ کتنی ہی احتیاط کرو کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ مُنہ ضرور کالے ہوتے ہیں۔ بھٹی سے کتنے ہی بچکر چلو گرمی ضرور محسوس ہوتی ہے اسیطرح جب سامنے اچھی اچھی صورتیں آتی ہیں۔ عیش و عشرت کے سامان موجود ہوتے ہیں تو خواہ کتنی ہی احتیاط سے کام لو نیت ضرور بگڑ جاتی ہے۔ اِس لیئے انسان کو چاہیئے کہ بدچلنوں۔ بُری کتابوں۔ عیش و عشرت کے سامانوں۔ خراب خیال پیدا کرنیوالے کھیل تماشوں۔ طبیعت بگاڑنے والی تصویروں وغیرہ سے بچتا رہے۔ اِن سے دُور ہی بھاگے ورنہ جس طرح رتی بھر ترشی دُودھ کو پھاڑ دیتی ہے۔ بُری صحبت کا اثر سب کیا کرایا خاک میں ملا دیتا ہے اور جسطرح بارش کا شفاف پانی موری میں پڑ کر بگڑ جاتا ہے

انسان بُری سنگت سے ہمیشہ کے لیئے بگڑ جاتا ہے ؞

ست سنگ صحبت نیک | اِنسان جو اوروں کو کرتے دیکھتا ہے یا کسی سے سُنتا ہے وہی کرنے لگتا ہے۔ پس لائق ہونے اور نیک چال وچلن بنانیکے لیئے ضروری ہے کہ بدوں سے بچے اور نیکوں کی صحبت اختیار کرے۔ اِنکے کلام پڑھے پڑھائے کیونکہ خدا اگر قمار خانہ میں بھی موجود ہے مگر وہاں نہ جانا ہی اچھا ہے۔

خدا شیطان کے دل میں بھی جلوہ افگن ہے۔ مگر اُسپر لاحول ہی پڑھنی چاہیئے

موری کا پانی بھی پانی ہے مگر اُسکی چھینٹے سے دامن بچانا ہی بہتر ہے۔ اسیطرح بُروں سے بچنا ہی اچھا ہے اِنکو دور ہی سے سلام کرنا چاہیئے اور ہر وقت اچھے لوگوں سے ملنا اُنکے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا چاہیئے۔ "دوہا"

سواتی[1] بوند سیپی مکت کدلی بھیو کپور
کارے کے مُکھ بکھ بھیو سو بھا سنگت سُور[2]

یعنی کنیا وانی کی بوند سیپی میں موتی کیلے میں کپور بنتی ہے۔ مگر کالے (سانپ) کے مُنہ میں زہر ہو جاتی ہے۔ صحبت صحبت کا اثر ہے۔

جس طرح وکیل سے ملکر جھگڑوں کی سُوجھتی ہے۔ اسیطرح لائقوں کو دیکھکر اچھی بات کا خیال ہوتا ہے۔

جس طرح چاول کے ساتھ رہنے سے پانی میں غذائیت آجاتی ہے اسیطرح تھوڑی دیر کی بھی صحبت نیک اثر کیئے بغیر نہیں رہتی۔

آگ تاکہ نہ بُجھے اور خوب روشن ہو۔ پھکنی سے پھونکنی چاہیئے۔ اِسیطرح دل میں شعلۂ شوق قائم رکھنے اور بھڑکانے کے لئے بار بار نیک آدمیوں سے ملنا چاہیئے

دودھ اور پانی مل گئے تو علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ اسیطرح طالب حق نالائقوں سے

[1] سوراج کے مہینے کی بارش ؞ [2] سورداس ہندی کے مشہور شاعر ہیں ؞

ملکر اُن سا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دودھ کا گھی بناکر پانی میں ڈالو تو اُوپر ہی تیرتا رہتا ہے۔ اسیطرح کامل ہو جانیکے بعد صحبت بد اثر نہیں کرتی مگر پہلے بچنا چاہیئے۔

وہی بلو کر جب مکھن نکل آوے تو اُسے علحدہ کر لینا چاہیئے ورنہ اُس کا ذائقہ بگڑ جائیگا۔ اسیطرح کچھ حاصل ہونے پر انسان نالائقوں سے ملتا رہا تو ممکن ہے کہ خراب ہو جائے۔ تر لکڑی آگ پر رکھنے سے تھوڑی دیر میں خشک ہو کر جلنے لگتی ہے اسی طرح صحبتِ نیک جہالت کو خشک کر کے دل میں شوق کی آگ روشن کرتی ہے۔ غرضیکہ صحبت لوہار کی دوکان ہے جسکی بھٹی سے ہر وقت چنگاریاں نکلتی ہیں۔ جس سے دوست اور دشمن دونوں کے کپڑے جل جانا ممکن ہے۔ اور صحبت نیک گندھی کی دوکان ہے جہاں سے بن کوڑی بن دام دوست اور دشمن کو بھی خوشبو آتی ہے۔ پس لازم ہے کہ صحبت نیک اختیار کرے کیونکہ "ست سنگ کی بڑی مہما اور برکت ہے۔

موکشعار (شوق) کوئی کام کتنا ہی مشکل سے مشکل اور دیر طلب کیوں نہ ہو اگر انسان کے دل میں شوق ہے تو وہ ایک دن نہ ایکدن ضرور پورا ہوگا شوق کی بدولت اسے اُستاد بھی ملجائیں گے۔ مددگار بھی پیدا ہو جائینگے۔ رُکاوٹیں بھی دُور ہو جائینگی اسلیئے خواہش مند کو چاہیئے کہ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے۔ چلتے پھرتے۔ یہی خیال رکھے اسی دُھن میں رہے۔ یہی فکر کرے کہ کسی طرح میرے نقص رفع ہو جائیں میں غلامی سے نکلکر آزاد ہو جاؤں

بھگتی (شوق) جس طرح پنہاری سر پر اپنے نیچے کئی گھڑے رکھے سہیلیوں سے گُفتگو کی بات کرتی جاتی ہے۔ اور دھیان گھڑے کی طرف رہتا ہے۔ جس طرح نفس پرست عورت گھر کے سب کام دھندے کرتی ہے مگر دل یار میں پڑا رہتا ہے اسیطرح انسان کو بھی چاہیئے کہ "دل بیار و دست بکار" کچھ ہی کرے اور کہیں رہے مگر خیال کو ہاتھ سے نہ دے ؎

جبتک مقناطیسی سوئی شمال کیطرف ہے جہاز کو کسی طرح کا اندیشہ نہیں۔ انسان کا دل جبتک خدا کی طرف ہے کسی بات کا ڈر نہیں۔

ایک بگلا آہستہ آہستہ مچھلی کیطرف بڑھ رہا تھا اور ٹھیک اُسیوقت ایک شکاری بگلے پر نشانہ تاک رہا تھا مگر بگلا بالکل بے پروائی سے اپنے شکار پر متوجہ تھا۔ اسیطرح انسان کو چاہیئے کہ خواہ اُسے موت ہی آ دبوچے۔ اپنے مقصد سے نہ ہٹے۔

ایک شخص نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک عورت اُدھر سے گزری اور جلدی میں جانماز کو اُلٹ گئی۔ نمازی کو اِسپر غصہ آیا اور جب وہ عورت اُدھر سے واپس آئی تو اُسے بُرا بھلا کہا۔ عورت نے عرض کیا۔ جناب! میں اسوقت اپنے خاوند سے ملنے جا رہی تھی اور محبت میں اندھی ہو رہی تھی۔ معاف کیجیئے اگر مجھ سے غلطی ہوئی مگر تعجب ہی کہ اسوقت جناب کا خیال بجائے خدا کے میری طرف تھا ورنہ آپ کو میری گستاخی کی خبر نہ ہوتی۔ اسیطرح کوئی عبادت کوئی کام پھل نہیں دیتا جبتک کہ اُس پر کامل توجہ نہ ہو۔

جس طرح چقماق صدیوں بھی پانی میں پڑا رہے یا کیچڑ میں دبا رہے لیکن اُسکی حرارت ضائع نہیں ہوتی جب چاہو لوہے سے جھاڑو فوراً شعلہ دیتا ہے اسی طرح جسکے دل میں لَو لگی ہوئی ہے وہ کیسی ہی آلائشوں میں پھنس جائے شوق نہیں جاتا پس انسان کو چاہیے کہ اپنے مقصد کی دُھن میں لگا رہے۔ خیال کو نگاہ میں رکھے۔ نقطۂ خیال سے نہ ہٹے معشوق کے عشق میں جان دیدے چنانچہ جسکا عشق کامل ہوگا اُتنے ہی جلدی معشوق کے دل میں اثر ہوگا۔ جسکی جسکے دل میں لگن ہوگی وہ ایکدن ضرور ملیگا۔

ویانت کا فائدہ | جب مینڈک کے بچے کی دُم آڑ جاتی ہے اور پچھلے پاؤں پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ خشکی اور پانی دونوں جگہ آرام سے رہتا ہے۔ اسیطرح جب خواہشوں کا

پرنت چھلا دور ہوجاتا اور گیان پیدا ہوجاتا ہے تو انسان آزاد ہوجاتا ہے۔

سانپ موذی جانور ہے جو ملتا ہے اُسی کو کاٹتا ہے۔ بھڑ بیٹھتے ہی ڈنک مارتی ہے لیکن سانپ کے دانت توڑ دیں۔ بھڑ کا ڈنک نکالدیں تو پھر کچھ ڈر نہیں اسیطرح جب دل سے آہنکار دور ہو گیا۔ آرزو کا ڈنک نکل گیا تو یہ پھر کچھ نہیں کرسکتا

پرند کو جب پر قینچ کر دیا تو وہ اُڑ نہیں سکتا اسیطرح دل سے جب خواہش دور ہوگئی تو پھر اُسکی پرواز کا اندیشہ نہیں۔

جس طرح ماہی گیر پرند دریا میں غوطہ لگاتا ہے تو بھی اُسکے پروں پر پانی کا اثر نہیں ہوتا۔ اِسی طرح خواہش سے خشک دل پر آلایشِ دنیا کچھ اثر نہیں کرتی۔

جس طرح کنول کے پتے پر پانی نہیں ٹھیرتا۔ ویراگ سے چکنے دل پر دنیاوی خیال نہیں ٹھیرتا۔

رسّی جب جلجاتی ہے تو گو اُس کا بَل ویسا ہی نظر آتا ہے مگر اُس میں باندھنے کی طاقت نہیں رہتی۔ اسیطرح جس کا آہنکار جل گیا اُسکے دل کو کوئی باندھ نہیں سکتا۔

لوہا جب پارس سے چھوکر سونا ہو گیا تو اُسے خواہ صندوق میں رکھو یا زمین میں گاڑ دو سونا ہی رہے گا اسیطرح جب ست گرو کی کرپا سے کندن ہو گیا تو کہیں رہے کامل ہی رہے گا۔

جس طرح بکرے کا سر کٹنے پر گو۔ دھڑ تھوڑی دیر تک تڑپتا ہے مگر پھر جلد سرد ہوجاتا ہے اسیطرح آہنکار جب دور ہو گیا گو جسم کچھ دن قائم رہے مگر انسان دنیاوی قیود سے آزاد ہے۔

ریل (گاڑی) انجن سے دھکا کھا کر چھوٹنے پر گو کچھ دور تک جاتی ہے مگر اب وہ انجن سے علٰحدہ ہوگئی۔ اسیطرح جن کا تعلق دنیا سے ٹوٹ چکا ضرور قائم ہوجاتے ہیں

تازہ ناریل کو چھیدیں تو چھلکے کے ساتھ گری بھی چھدے گی لیکن جب

ناریل پک جاتا ہے تو صرف چھلکا ہی چھدتا ہے کیونکہ اب گری چھلکے سے علیحدہ ہے اسیطرح دنیاوی تکلیفیں اُسی کے دل میں سوراخ کرتی ہیں جس کا دنیا سے لگاؤ ہے آنکھ مچولی میں جو دائی کو چھو لیتا ہے چور نہیں بنتا۔ وہ کہیں پھرسے کوئی اُس کا پیچھا نہیں کرتا۔ اسیطرح جس نے آزادی کی دیوی کے قدم چھو لیئے وہ پھر آزاد ہے کوئی اُس سے آنکھ نہیں ملا سکتا۔ اور نہ دنیا کی مصیبتیں اُس کا پیچھا کرتی ہیں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ آزادی حاصل کرے تاکہ مصیبتوں سے چھٹکارا ہو۔ +

گرو (مُرشد) بھولے بھالوں کو ٹھگنے۔ ناواقفوں کو بہکا کر اپنا اُلو سیدھا کرنے جہاں ہستی کے سے معجزے دکھا کر اپنے پیر پُجوانے کے لیئے دنیا میں لفنگوں نے طرح طرح کے روپ بھر رکھے ہیں اور مفت میں لوگوں کا مال ڈکارتے ہیں۔ اس لیئے تاکہ ترقی کے خواہش مند۔ نجات کے طالب ایکے دھوکے میں آکر برباد نہو جائیں سچے مُرشد اور ست گرو کی چند علامتیں عرض کیجاتی ہیں۔ سنسکرت میں گرو کی تعریف ہے۔ हितोपदेशी "فائدے کی بات بتانے والا"

مہابھارت میں لکھا ہے کہ راجہ دروپد کی خواہش تھی کہ کسی طرح میرا بیٹا اِس قابل ہو جائے کہ میرے دشمن جانی" درونڑ آچاریہ" کو مار گرائے۔ راجہ نے تمام دنیا چھان ماری مگر" درونڑ آچاریہ" کے سوا کوئی ایسا اُستاد نظر نہ آیا جو راج کنور کو درونڑ کا مدِمقابل بنا دے۔ مجبوراً راجہ نے کنور کو" درونڑ آچاریہ" ہی کے پاس تعلیم کے لیئے بھیجا۔ جسوقت کنور" درونڑ" کے پاس پہنچا اور شاگردوں کی صف میں بیٹھکر مؤدبانہ ڈنڈوت کی تو" درونڑ آچاریہ" نے خندہ پیشانی سے فرمایا" اے میری موت میرے پیارے شاگرد ایشور تیرا مقصد پورا کرے" اور پھر پوری تندہی سے ایسی تعلیم دی کہ جب میدانِ جنگ میں شاگرد و اُستاد مقابل ہوئے تو شاگرد نے اُستاد کو نیچا دکھا دیا اور وہیں ڈھیر کر دیا +

"سوم" استاد وہی ہے جو دشمن سے بھی تحمل نہ کرے۔ جسکو نہ اپنے فائدے کا خیال ہو نہ اپنی عزت کی خواہش۔ بلکہ جو ہر طرح شاگرد کا بھلا چاہتا ہو۔

کامل وسچا گرو وہی ہے جو تنہائی میں بھی کسی قسم کی غلطی نہ کرے اور جس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔

جس کا دل کسیکو مصیبت میں دیکھ کر نرم ہو جائے اور جسکی آرزو ہو کہ کوئی اس سے فیض پا جائے کسی کے لیئے اسکی جان کام آئے۔

لیڈر وہی ہے جسکو نہ اپنے آرام کا خیال ہو نہ اپنی شہرت کی آرزو جو تکلیفیں اُٹھاکر مصیبتیں جھیلکر بھی ہر وقت پبلک کی خدمت کے لیئے تیار رہے۔ جس کا دل دوسروں کو مصیبت میں دیکھ کانپ جائے اور تن من دھن اور خیال پبلک ورک کے لیئے وقف کردے ایسے لوگوں کی پیروی آنکھ بند کرکے کرنی چاہیئے انکی صلاح بے سوچے سمجھے مان لینی چاہیئے اور انکی نصیحت پر عمل کرے۔ اور انکو اپنا سچّا خیرخواہ سمجھے۔

غرضیکہ وانت فلاسفی کہتی ہے کہ سراب سے پیاس نہیں بجھ سکتی کیونکہ وہاں پانی کا نام تک نہیں۔

رسّی نہ کبھی سانپ تھی نہ ہوگی اور نہ اسوقت ہی جبکہ سانپ نظر آتی ہے انسان تو اپنی لاعلمی سے جھوٹی خوشی کے لیئے بے چین ہوتا ہے اور خیالی ڈر سے ڈرتا ہے۔

اگر تو چاہے تو یہ وہم دور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ عارضی ہے اور تیرے ہی خیال خودی سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ جب تک تو خیال کرتا ہے کہ "تو ہے" تو اور تیرا خیال قائم ہے۔ لیکن اگر تو سمجھے کہ تو نہیں ہے تو نہ تو ہے نہ تیرا خیال نہ اسکا ظہور دنیا اور نہ دنیا کا نتیجہ "بے چینی اور ڈر"

رسّی میں سانپ جب ہی تک موجود ہے اور تو اس سے ڈر رہا ہے جب تک تجھے
رسّی کا ٹھیک علم نہیں ہوتا۔ پس جہالت ہی ڈر کا باعث ہے اور جہالت ہی سے
وہم کا وجود قائم ہے۔

اگر تو چاہے تو اصل معلوم ہو سکتی ہے۔ دھوکا اور جھوٹا خیال رفع
ہو سکتا ہے۔ اسکے دفعیہ کے لئے نہ پوجا پاٹ اور جنتر منتر کی ضرورت ہے اور نہ
نماز و روزہ اور فاقہ کشی کی۔ علم ہی کی روشنی اس تاریکی کو دور کر سکتی ہے۔

گیان کو ادھر اُدھر کہیں دوسرے جگہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں کیونکہ
تو خود علم اور گیان سروپ ہے ؛

گیان کسی کی سعی سفارش سے نہیں ملتا۔ آزادی کسی کے کہنے سے نہیں
ہوتی بلکہ مکتی کا سادھن اپنی ہی کوشش میں تلاش کر کسی بیرونی مدد کا انتظار
نکر اور یقین جان کہ جب تیری جہالت دور ہوگی تو تجھے معلوم ہوگا کہ میں دھوکے
سے جھوٹی خوشی کو خوشی سمجھ رہا تھا ورنہ اصلی خوشی عین عالم علم ہے۔ میں اپنی
غلطی سے اپنے کو غلام اور بندھا ہوا سمجھ رہا تھا ورنہ میں ایک آزاد ازلی اور
انادی ہمیشہ رہنے والا ناش رہت جوہر ہوں۔

پس اے شخص تو اس کوشش میں جان کھپا دے کہ تیری لاعلمی دور ہو۔
تا کہ تیری بے چینی جاتی رہے اور اپنے سروپ میں قائم ہو کر حقیقت کے مزے
لیتا رہے اور اُسکے دائم سرور سے مست ہو کر مگن ہو جائے۔

ویدانت "وید" اور "انت" دو لفظوں سے مرکب ہے "وید" معنے
گیان اور "انت" معنی انتہا۔ پس انتہائے علم کو ویدانت کہتے ہیں۔ علم
اُس تمیز کا نام ہے جو شے کی اصلیت سے باخبر کرے۔ یعنی جو چیز جیسی ہو
ویسی ہی نظر آوے اور جسکی تجلی سے دھوکا بالکل خاک سیاہ ہو جائے۔ اور

اور جسکے چمکارے اندھیرے کا وجود نہیں ہے۔ جسکی برکت سے لاعلمی دور ہوکر حقیقت کا راز نظر آنے لگے۔

دُکھوں سے سہمے جینو! ویدانت کا آسرا لو! کیونکہ ویدانت ہی ایک ایسی امن کی جگہ ہے جہاں بے چینی کو دخل نہیں۔

مصیبتوں سے دُکھیو! ویدانت سے رجوع کرو کیونکہ ویدانت ہی ایک ایسی کامل شفا دینے والی اکسیر ہے جو دُکھ کا روگ جڑ سے دُور کرسکتی ہے۔

جہالت سے اندھو! ویدانت کا ہاتھ پکڑو! کیونکہ ویدانت ہی سچا رہبر ہے۔

راستی کے متلاشیو! ویدانت کی راہ پر چلو کیونکہ ویدانت ہی ایک ایسا سیدھا رستہ ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔

ویدانت ہی ایک ایسا فراخ دل سخی ہے جس کی بخشش ہندو مسلمان عیسائی۔ ہر ایک شخص کے لیئے عام ہے۔

ویدانت ہی ایک ایسا آسان اور سیدھا راستہ ہے جس میں بچے اور عورتیں بھی آرام سے چل سکتے ہیں۔

ویدانت ہی ایک ایسا عادل بادشاہ ہے جسکی رعیت کو نہ بیہودہ سرکاری قانون دق کرتا ہے۔ اور نہ پولیس کی جھوٹی رپورٹ کا ڈر ہے

ویدانت ہی ایک ایسا بے تعصب وجود ہے جو نہ کسیکو خاندانی رسم ادا کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور نہ کسی کے ملکی رواج میں دخل دیتا ہے

ویدانت ہی ایک ایسا صلح کل انسان ہے جسکی کسی مذہب و ملت سے لڑائی نہیں اور سب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے +

ویدانت ہی وہ سچا پیغامبر ہے جسکی خبر ہر ایک بزرگ نے دی ہے۔

ویدانت ہی وہ آسمانی کتاب ہے جسکی ہر ایک نے تلقین کرکے اُسکی بزرگی کو مانا ہے۔

ویدانت ہی ایسی مدلل فلاسفی ہے جسکی دلیل کارد نہیں۔

ویدانت ہی ایسی سچی نصیحت ہے جس پر عمل کرنا چاہیئے۔

ویدانت ہی وہ کلپ برکش ہے۔ جس سے اخلاقی۔ روحانی۔ جسمانی۔ ملکی ہر ایک اُمید برآتی ہے۔

پس اسپر ایمان لاکر اسکے قدموں میں سر جھکا دو۔ تاکہ تم دکھوں سے بچکر آبدی خوشی کا لطف اُٹھاؤ!۔

خدا تمھارے اِرادوں میں برکت دے اور تمھاری جہالت دور ہوکر تم آزادی یا "مکتی" کی مملکت میں داخل ہو +

لہ علمائے ہند نے ایک درخت ایسا مانا ہے کہ جو انسان کو حسب خواہش اشیاء دیتا ہے

دعاگو۔ "چندولال"۔ چاول والہ۔ دلّی۔